

عزیزانِ مہم



مولانا عبدالحامید شرر

"

اسلامی تاریخی ناول

عزیزہ مصر

مولانا عبیدالحکیم صاحب
الحکیم صاحب
☆

اسلامی تاریخی ناول

عزیزہ مصر

مولانا عبدالحکیم مسعود
الحکیم مسعود



مکتبہ القریش، اردو بازار، لاہور

98238

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر	☆	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	☆	نیر اسد پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	☆	کلائمکس
سن اشاعت	☆	2001ء
تعداد	☆	600
قیمت	☆	100/=

Ph : 7231595

مکتبہ القریشی لاہور

سنگ دل امیر خراج

۲۵۲ء میں طینیانی نیل کا زمانہ ہے اور سہ پہر کا وقت۔ اس عہد کے مشہور و معروف بابل یعنی دار السلطنت مصر شہر فسطاط میں ایک عالی شان قصر کے بند صحن میں جولپ آب واقع ہے ایک سپاس برس کا مغزور متکبر شخص عجیب ریشمی قالین پر عجب و سخوت کے انداز سے زرنگار گاؤ تکیے سے لگا بیٹھا ہے۔ یہ ایک حبشی خط و حال کا سیاہ نام بڑھا ہے۔ گنچے سر پر زریں عمامہ ہے جس کی بندش قدیم الایام کے ساسانی وزرائے عجم کے عماموں کی سی ہے۔ غیر مسطح اور پر شکن پیشانی کے نیچے چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہیں جو نیچے دیکھتے وقت گداز اور بھرے بھرے پوپٹوں میں اس طرح چھپ جاتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے بند ہیں۔ لیکن جب وہ انہیں خوب کھول کے کسی کی طرف غصے سے گھورنے لگتا ہے تو ان سے ایک بیک سنگولی۔ شقاوت۔ کیا دی۔ بے وفائی۔ نفس پروری۔ بدکاری اور حرص و طمع کے جذبات ایسی بڑی طرح نمایاں ہو جاتے ہیں کہ دیکھنے والے ڈرنے لگتے ہیں۔ حبشی خون کی آمیزش کے ثبوت میں ناک پھیلی اور بیٹھی ہوئی ہے۔ اور ہونٹ موٹے ہوتے ہیں۔ داڑھی مونچھوں کے بل کھائے ہوئے بالوں میں نیل کا خضاب ہے جس کی سیاہی میں روغن بلسان نے چمک پیدا کر دی ہے۔ حریر سبز کا رومی قبا اس کے جسم میں ہے۔ کمر میں مرصع و مغزلی ٹپکے ہے۔ اور اس میں ایک پیش قبض گھرسی ہوئی ہے۔ اسی کے قریب مگر قالین کے باہر دو ایک خوشامدی مصاحب بیٹھے ہیں جو اس کی ہاں میں ہاں ملائے اور اس کے بدکاری و حرص کے جذبات کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ اور ان مصاحبوں کے پیچھے دونوں جانب سپاس سپاس نو عمر و نوزخیز خوبرو و کمان ابرو ترکی

غلام سروں پر آسمانی زنگ کے زرنکار شعلے باندھے۔ کانوں میں بڑے موتیوں کے گوشوارے ڈالے۔ حریر سُرخ کی لمبے لمبے دامنوں کی تیاہیں پہنتے چوڑے چوڑے مٹلاؤں پر صبح چمکے باندھے اور بھاری بھاری فولادی گزشتانوں سے لگائے جن کی چوٹیوں پر تقریباً ٹوہیں خاموش مسووب کھڑے ہیں۔ یہ سوتر کی غلاموں کا دل کش اور رعب ڈالنے والا گروہ اس شخص کو بہت ہی عزیز ہے جس کو وہ اپنا سرمایہ ناز سمجھتا اور جانتا ہے کہ انہیں سے لوگوں میں میرا رعب پڑتا ہے چنانچہ یہ غلام ہر جگہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ گھر کے دربار میں سامنے صاف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ کہیں جاتا ہے تو راستہ میں اُسے اپنے جھرمٹ میں لیے رہتے ہیں اور کسی ہی نازک جگہ ہو اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔

یہ مصر کا موجودہ کلکٹر یعنی اعلیٰ افسر تحصیل خراج اور امیر مال و خزانہ احمد بن تمبر دہنے۔ جو دراصل منصور بن متوکل کا آزاد شدہ غلام ہے۔ منصور نے جو پہلے والی مصر و شام رہ چکا تھا اب کی بغداد سے واپس آ کر اس کو آزاد اور اس خدمت پر مقرر کیا ہے۔ اور چونکہ اس کے تقرر کی منظوری خاص بغداد سے منگوائی تھی اس لیے بعد کے والیوں میں سے کسی کو اس کے اس خدمت سے ہٹانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ مگر ان آزادیوں نے اس کی غلامی کی سیرت کو ابھار دیا۔ اس میں کبر و نخوت کے جذبات پیدا ہوئے۔ حرص و طمع اور ہوس و دولت روز بروز بڑھتی گئی۔ چنانچہ ان دنوں اس کی بد کاریوں اور سخت گیریوں نے رعایا سخت نالاہ ہے اس گھڑی اس کا منہ دریائے نیل کی طرف ہے جس میں ہر وقت سواری اور بار برداری کی تاجرا نہ کشتیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ اکثر تو بہاؤ پر نشیبی شہروں اور سمندر کی طرف جاتی ہیں۔ اور بعض جن میں سے اکثر قیمتی سامان تجارت سے لدی ہوتی ہیں۔ ان کے مستولوں میں رسیاں باندھ کر ملاح رسیوں کے سرے ہاتھوں میں لے کے گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چلنے دریا کے نیل کے کنارے کنارے ان کو کھینچے ہوئے جنوبی بلا و صعید و سودان کی طرف لئے جاتے ہیں۔

ابن میرد دیر تک ان کشتیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اپنے ایک مصاحب کی طرف رخ کر کے بولا: سفیان دیکھتے ہو۔ یہ کشتیاں کس آزادی کے ساتھ بے روک ٹوک یہاں سے گزر جاتی ہیں

میرا زور چلتا تو ان میں سے ایک بھی جب تک مقررہ شرح محصول سے چوگنی رقم نہ ادا کرتی نہ جانے پاتی۔ اور یہاں تو یہ خراب معمول پڑ گیا ہے کہ جو کشتیاں کنارے نہ آئیں اور سیدھی آگے بڑھ جائیں ان سے کچھ لیا ہی نہیں جاتا۔“

سفیان: ”مگر حضور کو اختیار ہے کہ جس سے جتنا محصول چاہیں وصول کر لیں۔“
ابن مبرود: ”ہوتا تو یہی چاہئے۔ اس لئے کہ خراج وصول کرنا اور ضرورت دیکھ کر اس کی شرح کو گھٹانا بڑھانا خاص میرا کام ہے۔ مگر یہاں انتظام کی یہ خوبی ہے کہ والی ملک الگ ہے اور عہدہ دار خراج الگ۔ پھر مصیبت یہ کہ والی جو شکایت لکھ بھیجے اس کا بغداد میں بہت لحاظ کیا جاتا ہے۔“

یہ سن کر ایک دوسرا صاحب بولا: ”خوب مہلا حضور کے کام میں والی کو کیا دخل؟ ان کا ترقیہ کام ہے کہ فوج کو درست اور مملکت پر شاہی تسلط کو برقرار رکھیں باغیوں کی سرکوبی کریں یا قرب و حوالہ کے علاقوں کو فتح کر کے قلم و خلافت میں شامل کریں۔“

ابن مبرود: ”کیدر ضبعی (یہی اس دوسرے مصاحب کا نام ہے) ان کا ایک کام تم بھول گئے (مسکرا کر) انہیں یہ بھی حق دیا گیا ہے کہ لوگوں کی چغلی کھائیں۔ شکایتوں کے دفتر کھولیں اور نئے انگیز اطلاقیں و زرائع خلافت تک پہنچائیں۔ اسی وجہ سے میں مجبور ہونکہ ان کو خوش کر دوں۔“

کیدر: ”والی ہمیشہ دولت کے بھوکے ہوتے ہیں۔ شکایت اور چغلی فقط اس لیے ہوتی ہے کہ لوگوں سے رقمیں وصول کریں۔ سچ پوچھئے تو وہ فقط اس لیے ہیں کہ عہدہ دار ان مال کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا کریں۔“

ابن مبرود: ”اور اسی وجہ سے عہدہ دار ان مال کو مجبور ہونا پڑتا ہے کہ رعایا کو لوٹیں۔ ابھی تک یہاں کے والی احمد بن مزاحم تھے۔ جن کے منہ میں ایک اذیت رساں زخم کی طرح ہمیشہ رد پیہ کا پھاہا چڑھاتا رہتا۔“ یہ کہہ کر ابن مبرود نے اپنی اس ادیبانہ سخن آفرینی پر سفیان کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھا اور اس نے بے اختیار چہچہ کے کہا: ”سبحان اللہ یہ ہے فصاحت و بلاغت اور شاعرانہ تشبیہ اسے کہتے ہیں۔“

کیدر: "تو یقین ہے کہ یہی پچھا ہا حضور نئے والی احمد بن طولوں کے زخم وہاں پر بھی چڑھا دیں گے۔"

ابن مبرو: "ہاں یہ علاج تو کرنا ہی پڑے گا۔ مگر سنتا ہوں کہ وہ بڑا سخت ہے اور نہایت مکار آدمی ہے۔ اسکی نسبت سارے شہر میں مشہور ہو رہا ہے کہ رعایا کا دوست اور سرکاری عہدہ داروں کا دشمن ہے۔ دیکھئے اس سے کیسی نبھتی ہے۔"

سفیان: "ابھی تو کل رہ آیا ہے۔ دو چار مہینوں میں یہاں کے معاملات سمجھنے کے قابل ہو گا اس وقت تک اس بچوٹے والے پھوڑے کو آپ روپیہ کی پیش توڑ کر بہا چکیں گے اور جو کچھ مادہ اندر باقی رہ جائے گا اس کو شربت دینا رٹھیل کر دے گا۔"

ابن مبرو: "اس علاج کو میں نے شروع کر دیا۔ کل اس سے ملنے کو گیا تھا۔ بظاہر خلق و مروت سے ملا اور صبح کو اطلاع ملی کہ تھوڑی دیر میں وہ بانزدید کی ملاقات کو آئے گا۔ ارادہ ہے کہ ایک لاکھ دینار نذر کرتے کا اس سے وعدہ کر لوں۔"

کیدر: "افوہ! اتنی بڑی رقم۔ اس کا یکمشت ادا کرنا دشواری سے خالی نہ ہو گا۔"

ابن مبرو: "میں نے اس کی تدبیر بھی سوچ لی۔ ایسے شخص کو تاکا ہے جس سے مجھے بہت ہی جلد انتقام لینے کا موقع مل جائے گا۔ یہ کوئی چھپی بات نہیں ہے کہ قسمت نے چند روز مجھے

منصور بن متوکل عباسی کا غلام بنانے رکھا۔ اسی نے ابھی چند روز نہ ہوتے ہوں گے کہ مجھے آزاد کر کے یہاں کا امیر خراج مقرر کر دیا تھا۔ مگر اسی کی نئی مسر یہ جو رو نے میرے ساتھ ایسے سلوک کئے کہ جب تک بدلہ نہ لے لوں گا چین نہ پڑے گا۔ دولت اس سے زیادہ مسر و شام میں کسی کے پاس نہیں ہے منصور نے برابر سات سال والی رہ کر شام و مسر کو لوٹا۔

اور اب مصر میں اسے ایک ایسی جو رد مل گئی جو مقوقس کی نسل سے ہے اور عزیزہ مصر کہلاتی ہے۔ اس لیے کہ مقوقس کے حقوق کے لحاظ سے مسلمان و ایان ملک ہمیشہ اس کے

خاندان اور اس کی جائیداد کی حفاظت کرتے رہے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ فی الحال منصور بغداد

سے ایران خلافت کی بہت سی دولت لوٹ کے یہاں بھاگ آیا ہے اور نئی قبلیہ بیوی

کے پاس چھپا بیٹھا ہے۔ وہاں بغداد کے خلیفہ گورداران ترک اس کی تلاش میں ہیں۔ ایسی

حالت میں اس کو گرفتاری کی دھمکی دے کر یہ رقم بہ آسانی وصول کر لی جاسکتی ہے۔ اور اس بہانے کو بھی اپنا انتقام مل جائے گا اس لیے کہ یا تو خود منصور اپنی جان کے خوف سے یہ رقم ادا کر دے گا اور یا اُس کی وہ عزیزہ مصر جو لیا نامیاں کی محبت میں اس رقم کو دے گی یہ خیال آتے ہی میں نے اپنے داروغہ خراج کو بھیجا ہے کہ آج ہی منصور اور اس کی بیوی کو گرفتار کر کے میرے سامنے حاضر کرے۔

سفیان: نہایت مناسب تدبیر ہے۔ ان امور میں تو حضور کی رائے ہمیشہ مناسب ہوا کرتی ہے۔ اور کبھی پٹ نہیں پڑتی۔ مگر میں نے سنا ہے کہ ابن طولون روپیہ سے زیادہ حسن و جمال کا دلدادہ ہے اور ہمیشہ خوبصورت اور پریمی جمال کنیزوں کی فکر میں رہا کرتا ہے۔

ابن مبرود: تو اسی خوبصورت عزیزہ مصر جو لیانا سے جس کی رگ روپے میں روم و قبط کے شاہی گھرانوں کا خون دوڑ رہا ہے اُس کی آتش حسد بجھائی جاسکتی ہے۔ اُس کی عمر ابھی چودہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور جو در بایاں اس میں ہیں شام و مصر کی کسی لڑکی میں نہیں ہو سکتیں۔ تم اپنے دل میں کہتے ہو گے کہ منصور مصر و شام کا حکمران رہ چکا ہے اس کا تعلق خاندان عباسی سے ہے۔ ایک ضلیقہ کا بیٹا اور ایک کا بھائی ہے۔ اس پر

میرا زور نہ چلے گا۔ مگر اس کا مطلق اندیشہ نہیں۔ اس لیے کہ فی الحال وہ خلافت کا اشتہاری مجرم ہے۔ اس موقع پر اگر میں اس کی دولت پر قبضہ کر لوں اور ابن طولون اس کی جو رو کو چھین لے تو اس سے بجز خاموشی کے کوئی بات نہ بن پڑے گی۔

سفیان: تو اس تدبیر سے شاید حضور کو یہ بھاری رقم نذرانے میں نہ دینا پڑے گی۔ واقعی یہ بہت ہی مناسب اور سود مند تجویز ہے۔

ابن مبرود: "مگر والیوں کی حوس اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ابن طولون بغیر کچھ نقدی رقم لیے نہ مانے گا۔ اور جو کچھ لے گا اس کو بھی بڑے نرخوں سے اور بہت سی جنتوں کے بعد قبول کرے گا۔ لوگ مجھے ظالم اور سخت گیر کہتے ہیں۔ ہر شخص کی زبان پر ہے کہ میں نے ملک کو لوٹ لیا۔ مگر میری مجبوریوں کو کوئی نہیں دیکھتا۔ اتنی اتنی بڑی رقمیں والیوں کو دینا پڑتی ہیں۔ اور لوگوں کو

کیا کروں۔ میرے بالادست مجھے لٹتے ہیں اور میں رعایا کو لٹتا ہوں۔“
 سفیان: ”اور سچ یہ کہ جو کوئی خوش انتظامی و استقلال سے سلطنت کا فواج وصول کرتا ہے۔
 اُسے لوگ ایسے ہی الزام دینے لگتے ہیں۔“

ابن مبرود: اس کو میں مانتا ہوں کہ رعایا سے جس قدر میں نے وصول کیا آج تک کوئی نہیں وصول
 کر سکا تھا مگر بقول تمہارے یہ میری خوش انتظامی اور خوش تدبیری کی برکت ہے ورنہ کوئی جان
 کے روپیہ نہیں چھوڑتا۔ اور میری کامیابی کا اصلی راز یہ دل فریب و دلربا غلام ہیں جو دوستوں کے
 آگے خوبصورت گلہستوں کا اور رعایا کے سامنے آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے صاعقے کا کام
 دیتے ہیں۔

کورنمک غلام

احمد بن میرد اپنی اور اپنے غلاموں کی تعریف کر رہا تھا کہ اس کے حاجب (عرض بیگی) قحطیہ نے اُس کے ادب سے عرض کیا "اقبال امیر بلند۔ عزیزہ مصر شاہزادی جو لیانا جس کی گرفتاری کا حکم ہوا تھا حاضر ہے۔"

ابن میرد: "اور اس کا شوہر منصور نہیں آیا جو اصلی مجرم ہے؟"

قحطیہ: "وہ تو نہیں ملا۔"

ابن میرد: "خیر اس عورت کو سامنے لاؤ۔ اس کے پھول سے رخسارے اور اُس کی فآن و زگیں آنکھیں دیکھنے کے قابل ہیں (مصاحبوں سے) تم سب اُسے دیکھ کر خوش ہو گے۔"

قحطیہ اُس نازنین کے لانے کو گیا اور ابن میرد نے اپنے خوشامذی انیسان صحبت کی طرف دیکھ کر شکستہ چشم و ابرو سے کہا "آج موقع ہے کہ میں اس عورت کو جو کبھی شب و روز مجھے ڈانٹا ڈپٹا کرتی تھی ذلیل کروں۔ اور اسی طرح ڈپٹوں اور گھڑکوں جس طرح اپنے زمانہ، حکومت میں وہ مجھے بُرا بھلا کہا کرتی تھی۔ اور لطف یہ کہ اس سے اچھی سونے کی چڑیا ہاتھ نہیں۔۔۔۔۔" قحطیہ پری جمال جو لیانا کو جواز سرتاپا رقع میں چھپی ہوئی تھی سامنے لا کر کھڑا کر دیا اور ابن میرد کی زبان چلتے چلتے رک گئی۔

چند لمحوں تک وہ اپنی اگلی ولیہ نعمت مالکہ کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا "خوبصورت نازنین تم حسینہ و جمیلہ بھی ہو اور دولت مند بھی واقعی عزیزہ مصر ہو۔"

جو لیانا نے حیرت سے اپنے مغرور غلام کی صورت دیکھی۔ اس کے الفاظ سن کر نقش حیرت بن گئی۔ پھر تمام جذبات کو دل میں دبا کر بولی "خیر یہ تو معلوم ہو کہ مجھے کیوں بلایا

ہے۔

ابن مبرو: "ہاں میں بھول گیا تھا کہ تم اگلے خاندان شہریاری مصر کی شاہزادی اور خلافت کے گھرانے کی ہو ہو۔ یہ کہہ کر تمہارے انداز سے ہنسا اور کہا: "پری رخ عزیزہ مصر میرے پاس آؤ اور برقع اتار کے مجھے اپنا رخ زیاد دکھاؤ۔"

اس کی ہنسی۔ انداز گفتگو اور ابوریزی کے الفاظ نے جولیانہ کے بدن میں آگ لگادی۔ عبرت معلوم ہوئی کہ میرے شوہر کا زرخیز غلام مجھ سے ان الفاظ میں گفتگو کر رہا ہے جولیانہ کا جو درجہ تھا سو دربار خلافت میں اس کی جیسی عزت تھی اور وایان ملک اس کی جیسی تعظیم و تکریم کرتے رہے تھے ان باتوں کے سامنے وہ اپنے ہی غلام کو گو کہ وہ افسر خراج تھا کیا خطرے میں لاسکتی تھی۔ بجائے قریب جانے کے فاصلے پر بیٹھ گئی اور جوش کی آواز میں پوچھا: "کیا یہ میری شرافت و عزت مجھے بے آبرو کرنے کے لیے بیان کی گئی؟ اور ابن مبرو سا ذلیل و فرومایہ صہبشی غلام کو اپنے پاس بٹھا کر میری صورت دیکھے گا؟"

ابن مبرو: "خدا کی قسم میں اس سخت کلامی کو نہیں برداشت کر سکتا۔" جولیانہ: تیری زبان سے یہ الفاظ تیرے لیے نئے نہیں ہیں۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ تو اپنی ہستی بھول گیا ہے اور اگر تجھے اپنی موجودہ آزادی اور عہدہ داری کا غرہ ہے تو سن لے کہ جو جیسا کہے گا ویسا سنے گا۔

ابن مبرو: "تم نہیں دیکھتیں کہ میرے بس میں ہوا اور قید ہو کر میرے سامنے آئی ہو؟" جولیانہ: (کمال غیظ و غضب سے) قید! تیری بھی اتنی مجال ہوئی کہ مجھے قید کرے اور تیرے آدمیوں کی کیا طاقت تھی جو مجھے زبردستی لاتے۔ انہوں نے کہا تھا کہ تجھے مجھ سے کوئی سرکاری کام ہے۔ یہ سن کے میں چلی آئی کہ دیکھوں تو کیا کہتا ہے۔"

ابن مبرو: (سفیان کی طرف دیکھ کر) "یہ تو نکار کے ساتھ نہایت گستاخی، بے ادبی سے بات کرتی ہے تو پھر میں بھی اسی لہجہ میں جواب دیتا ہوں، تم لوگ جانتے ہو کہ میں کوئی ذلیل شخص نہیں۔ مصر کا عہدہ دار خراج ہوں (جولیانہ سے) سن اور عورت تیرا شوہر سرکاری مجرم ہے۔ وہ بغداد کے خزانہ خلافت کو لوٹ لایا ہے اور اس کے پاس وہ پرانا تاریخی قالین ہے جو دولت آل ساسان کی یادگار اور خاص شہر وین پر دیز کا بنوایا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے بغداد

میں اس کی تلاش ہو رہی ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ اس کو پکڑ کے بھیج دوں۔“
جولیانہ: ”اگر تو ان کو پاسکتا ہے اور تیری اتنی مجال ہے کہ ان کو اسیر کرے تو پھر تامل کیا ہے؟“

ابن مبرود: ”تو کیا وہ خلافت کے حکم سے بھی گرفتار نہ ہوگا؟“
جولیانہ: خلافت سے ایسا حکم آتا تو والی مصر کے نام آتا۔ تو کون ہے جو کسی کو گرفتار کرے
ایک ذلیل غلام کی اتنی حیثیت نہیں کہ ایک عباسی شہزادے امیر المومنین المتوکل باللہ کے فرزند
اور امیر المومنین المنتظر باللہ کے بھائی کو گرفتار کرے؟“

ابن مبرود: ”پھر وہی تو ہیں و تحقیر کے کلمات تیرے حسن و جمال اور تیری شرافت کا جو پاس و
لحاظ کیا جاتا ہے تو نوا اور شیر ہو جاتی ہے۔ کیا ان ترک نوجوانوں سے بھی تو نہیں ڈرتی جو
گرنہ لئے کھڑے ہیں کہ درویدہ دہن گستاخ کا سر پاش پاش کر دیں۔“

جولیانہ: ”ایسے نمائشی جلوس پر تجھ سے ذلیل و فرمایہ غلام کو غرہ ہو سکتا ہے۔ میں ایسے ہیبت
سے تماشے دیکھ چکی ہوں۔“

ابن مبرود: ”اچھا۔ اب میں تم سے محبت اور دوستی کے لیے میں باتیں کروں گا۔
جولیانہ: تجھ سے ذلیل شخص کی دوستی کیا اور دشمنی کیا؟“

ابن مبرود: ”اچھا جو چاہو کہہ لو۔ ایک عورت کی درشتیوں کو میں برداشت کروں گا۔ مگر تم جانتی
ہو کہ خلافت کو آج کل روپیہ کی بے انتہا ضرورت ہے۔ ترکی سردار جو خلافت کے تاج و
تخت پر حاوی ہیں ہر وقت روپیہ کے طالب ہیں۔ اور تا کبیدی فرمان پر فرمان چلے آتے
ہیں کہ فوراً روپیہ بھیجو۔ سال حال کے خراج میں سے جو کچھ وصول ہوا اس کو میں بھیج چکا اور
اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ایسے نازک وقت میں تم ہی میری مدد کرو گی تو کام چلے گا۔ مجھے
پانچ لاکھ دینار کل لاکھ دو۔ اور قالین بھی بھجواد جس کو تمہارے شوہر بغداد سے اڑالائے
ہیں تم آزاد ہو اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے شوہر سے بھی تعرض نہ کیا جائے گا۔ ورنہ یاد
رکھو کہ جہاں ملیں گے گرفتار کر کے بغداد بھیج دیے جائیں گے۔ اور وہاں جانا ان کے لیے
قتل گاہ میں جانا ہے۔“

جولیاننا: (طیش سے) تجھے دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔
 ابن مبرد: تو پھر تمہاری خیریت ہے اور نہ تمہارے شوہر کی میں پرانے تعلقات کے
 لحاظ سے تمہارے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کر رہا ہوں۔ ورنہ جانتی ہو کیا کروں گا۔ تم کو
 لونڈی بنا کے ابن طولون کی نذر کردوں گا جو اچھی کینزوں کے بڑے شائق ہیں تمہاری ساری
 دولت ضبط کر کے دار الخلافت میں بھیج دوں گا اور ہر طرف احکام جاری ہو جائیں گے
 کہ تمہارے شوہر جہاں میں اسیر کرنے کے بعد اد میں بھیجے جائیں۔ اور زندہ اسیر نہ ہو سکیں تو
 ان کا سر کاٹ کے بھیجا جائے۔

اب جولیاننا میں زیادہ سننے کی تاب نہ تھی۔ ایک خوشخوار شیرنی کی طرح جھپٹ پڑی
 اور صدری کے اندر سے نیچو نکال کے گستاخ غلام پر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ایک
 کان اڑ گیا۔ مگر قیل اس کے کہ دوسرا وار ہو ابن مبرد کے مصاحب پیچ میں آگئے۔ اور غلاموں
 نے دونوں جانب سے گھیر کے جولیاننا کو اسیر کر لیا۔

اب سارے تبصر میں شور و ہنگامہ ہو رہا تھا اور لوگ گھبرائے ہوئے تھے کہ
 قحطیہ نے آکے کہا "والی مصر امیر ابن طولون حضور کی ملاقات کو آئے ہیں۔"
 ابن مبرد: (گھبراہٹ کے ساتھ) غضب ہو گیا۔ یہ ظالم بہت برے وقت آیا۔ اچھا فوراً
 اس عورت کو لے جا کے نیچے والے خانے میں بند کر دو۔ اور اس میں قفل ڈال دو۔ دیکھو
 خبردار بھاگنے نہ پائے جس کے پہرے میں سے نکل گئی اس کو قتل کے سوا اور کوئی سزا نہ
 ہوگی۔ اور ہاں میرے کان پر بھی ٹپی باندھ دو۔

جولیاننا نے ارادہ کیا کہ چینی چلائے مگر غلاموں نے کپڑا ٹھونس کے متہ میں بند کر دیا۔
 اور نہایت تعجیل کے ساتھ ہٹالے گئے۔ وہ جلوسی غلام بھی اس کے ساتھ گئے جو صفیں
 باندھے کھڑے تھے۔ اور اس کے کان پر ٹپی بندھ گئی۔

ان کارروائیوں کے بعد ابن مبرد مسند سے اٹھ کر ابن طولون کے استقبال کو باہر
 گیا۔ مر جا کہہ کے ہاتھ ملایا۔ لا کے مسند پر اپنی جگہ بٹھایا اور خود اس کے سامنے دو زانو
 بیٹھ گیا۔ ابن طولون کا سولہ سترہ برس کے سن و سال کا خوبصورت لڑکا فارویہ بھی ساتھ

آیا تھا۔ مزاج پر سی و غیرہ کی قسم سے چند معمولی باتیں ہوئیں تھیں کہ ابن میرد کے اشارے سے مجھیں و جادو نگاہ کنیزوں کا ایک طائفہ سامنے صاف باندھ کے بحرئی کرنے لگا۔ بعض بالنسری دت اور چنگ بجاتی بعض گاتی اور بعض ناچتی تھیں۔

ابن طولون نے اس خیال سے کہ ابن میرد کی دل شکنی نہ ہو تھوڑی دیر تک بحرئی دیکھا پھر کہا "اب ان کو ہٹائیے۔ مجھے ان چیزوں کا شوق نہیں ہے" اور فوراً وہ طائفہ ہٹا دیا گیا۔

اب ایک ساقیہ پری جمال جام و مراحی کو کشتی میں لگا کے لائی اور نیند کا ایک چھلکتا ہوا جام بھر کے ابن طولون کے سامنے پیش کیا مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ ابن میرد: "اے آپ! آپ نیند نہیں پیتے؟ فقہائے عراق نے تو اس کی حلت کا فتوے سے دیا ہے۔"

ابن طولون: "میرے نزدیک اس میں سکر ہے۔ اور سکر چیز کو نہ علمائے عراق حلال بتا سکتے ہیں اور نہ اور کوئی۔ مگر اس وقت اس مسئلہ میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر حلال ہے تو آپ شوق سے پیئیں مجھے اس کا شوق نہیں ہے۔"

ابن میرد: "رہنس کر" مگر حکمرانی کے ساتھ ایسے اتقا کا نبھانا ذرا دشوار ہے۔
ابن طولون: خدا تو نیک خیر دے تو سب باتیں نبھ جاتی ہیں۔
ابن میرد: "خیر اب ارشاد ہو کہ رعایا نے مصر کو آپ نے کیا پایا؟ ان لوگوں میں شورش اور سرکشی کا مادہ بہت ہے۔"

ابن طولون: "میری رائے تو یہ ہے کہ کہیں کی رعایا ہو شورش و بغاوت ہمیشہ حکام کے غلط طرز عمل سے ہوا کرتی ہے۔ حکام اگر ان شکایتوں کو وسیع النجالی سے سنیں اور ان کے جذبات و خواہشات کا خیال کیا کریں تو رعایا سے ہرگز سرکشی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ فاروق کا معمول تھا کہ رعایا کی شکایات پر اچھے سے اچھے والی کو ہٹا دیا کرتے تھے۔ مگر اب خرابی یہ ہو گئی ہے کہ سلطنت اپنے والیوں کے سوا اور کسی کی آواز نہیں سنتی۔ اسی سے ناراضی پیدا ہوتی ہے اور رعایا کو جب موقع ملتا ہے حکومت کا جھاگہ دن سے اتار کے پھینک

دیتی ہے۔“

ابن مبرود: یہ تو آپ نے عجیب بات فرمائی۔ اگر رعایا کی آواز پر حکومت اپنے والیوں اور
عہدہ داروں کو ہٹا دیا کرے تو چند ہی روز میں رعایا ایسی شیر ہو جائے کہ اس پر حکومت
کرنا دشوار ہو۔“

ابن طولون: حکومت کیا چیز ہے؟ شاید آپ کے نزدیک شداد و فرود اور فرعون و ہمان
کی طرح لوگوں سے اپنی پرستش کرانا اور ان کو بجز اپنا غلام بنائے رکھنا حکومت ہے۔ قیصر و
کسریٰ کی سلطنتیں شاید ایسی ہی ہوں۔ مگر اسلامی خلافت کی اصطلاح میں تو امارت رعایا کی،
سرداری نہیں خدمت گزاری و حفاظت کا نام ہے۔ ہمارا تو شعار یہ ہے کہ ”سید القوم خادمہم“
اور اسی خیال سے ہمارے خلفاء کو پہلے کی رعایا کی آواز سننی چاہیے پھر والی ملک کی زمین یہ
نہیں کہتا کہ رعایا کی شکایات سنتے ہی بے سوچے سمجھے والی معزول کر دیے جائیں۔ مگر ہاں
رعایا کی فریاد و شکایت پر پوری طرح آزادی وغیر جانب داری سے تحقیقات کی جائے۔ اور
جیسا ثابت ہو ویسا کیا جائے۔“

ابن مبرود: خیر آپ والی ملک ہیں۔ آپ سے شاید یہ طرز حکمرانی نبھ کے مجھ سے تو غیر ممکن ہے
میں اس اصول پر عمل کروں تو نہ جزیے کی ایک کوڑی وصول ہو اور نہ خراج کی۔
ابن طولون: ہاں میں نے سنا ہے کہ آپ سرکاری رقموں کے وصول کرنے میں رعایا
پر سختی کرتے ہیں جس کو میں اپنے زمانے میں ایک گھڑی کے لیے بھی گوارا نہ کروں گا۔ یہ
بھی دراصل سلطنت کی غلطی ہے کہ افسران مال کو حاکمانہ اقتدارات دے دیئے ہیں جس کے
نتیجے میں بے انتہا منظم ہوتے ہیں۔ حکومت یا عدالتی اقتدارات کو فقط والی اور اسکے
ماتحت عہدہ داروں قاضیوں اور محتسبوں تک محدود رہنا چاہیے۔ افسران مال کو اگر رعایا
سے غیر وصولیابی کی شکایت ہو تو ان کو انہیں حکام عدالت کے اجلاس میں چارہ جوئی کرنی
چاہیے۔ اور میرا یہی طرز عمل رہے گا۔“

ابن مبرود: (گھبرا کے) ”تو پھر مجھ سے کام نہ ہو سکے گا۔“

ابن طولون: ”مفائقہ نہیں۔ جتنے عہدہ داران مال بغیر جبر و تشدد کے وصول نہ کر سکیں انکو

اپنی خدمت سے بیکدوش ہو جانا چاہیے تاکہ ان کی خدمتیں ایسے لوگوں کو دی جائیں جو بغیر سختی کے وصول کرنے کا اقرار کریں۔“

ابن مبرد: ”مگر آپ کو کم از کم مجھے اس سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ میرا تقرر خاص امیر المومنین کی منظوری سے ہوا ہے۔“

ابن طولون: ”میں بھی جو کچھ کروں گا امیر المومنین کی اجازت اور منظوری سے کروں گا اپنی طرف سے نہ کروں گا۔“

ابن مبرد: مگر اس معاملہ میں آپ غلطی پر ہیں۔ رعایائے مصر کی حالت دیکھ کر آپ کو خود ہی اپنی رائے بدلنی پڑے گی۔ اور انشاء اللہ میں بھی وقتاً فوقتاً حاضر ہو کے اس مسئلے پر گفتگو کروں گا۔ ابھی آپ اس اصول پر عمل کرنے میں جلدی نہ کریں۔ میں دو ہی چار روز میں حاضر ہو کر وہ نذرانہ کی رقم بھی پیش کر دوں گا جو ہر والی مصر کی خدمت اُن کے درود کے وقت پیش کرتا رہا ہوں۔“

ابن طولون: (رہنس کر) ”آپ کتنا نذرانہ ہر والی کو دیتے رہے ہیں؟“

ابن مبرد: ”ادروں کو تو کم ہی دیا مگر آپ کے لیے میں نے ایک لاکھ دینار کا بندوبست کیا ہے۔“

ابن طولون: ”ایک لاکھ دینار (داڑھی پر ہاتھ پھیر کے) یہ رقم آپ کے پاس موجود ہے؟“

ابن مبرد: ”موجود تو نہیں ہے۔ مگر دو ایک روز میں فراہم ہو جائے گی۔“

ابن طولون: ”کہاں سے؟ دو ہی صورتیں ہیں۔ یا آپ سرکاری روپیہ مجھے دے دیں گے اور یا رعایا سے بجز وصول کریں گے۔“

ابن مبرد: ”آپ کو اس سے بحث کیا ہے؟ مجھے جہاں سے ملے گا لاکھ دوں گا۔“

ابن طولون: (نہایت متین صورت بنا کے) ”بے شک مجھے آپ کے انتظامات میں دخل دینے کا حق نہیں ہے مگر دربار خلافت کو اس کی اطلاع تو کرتی ہے کہ آپ

کیا طرز عمل ہے۔ بعد رعایا کے ساتھ آپ کیسا سلوک کر رہے ہیں۔“
 ابن میرد: (ذرا عاجزانہ انداز سے اور ابن طولون کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) ہم
 دونوں کو اتفاق و یک جہتی سے رہنا چاہیے۔ اور اسی رقم پر منحصر نہیں۔ میں وقتاً فوقتاً
 اور خدمت بھی کرتا رہوں گا۔ یا آپ کو امرار ہو تو اسی نذرانے کو دو تا کروں؟
 ابن طولون: ”جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ آپ مجھے یہ رقم کہاں سے فراہم کر کے دیں گے
 میں کسی نذرانے کو نہیں قبول کر سکتا۔“

اب ابن میرد کے بانگے خوبصورت غلام جو شہزادی کو اسیر کر کے لے گئے تھے
 اسے قید خانے میں بند کر کے واپس آگئے اور حسب معمول سپاس سپاس غلام دونوں جانب
 صفیں باندھ کے کھڑے ہو گئے۔ ابن طولون نے ان کو حیرت سے دیکھا ایک ایک
 کے چہرے پر نظر ڈالی اور کہا ”یہ غلام تو آپ نے خوب آراستہ کر رکھے ہیں۔“

ابن میرد: ”ان کو میں مدتوں میں فراہم اور مرتب کر سکا۔ اور بڑی
 مشکلوں سے اس قابل بنایا کہ آداب دربار کی نگہداشت کے ساتھ تحصیل خراج کی
 ضرورتوں کو پورا کریں۔“

ابن طولون: ”مجھے آپ کے یہ غلام بہت پسند آئے۔ بس اتنے ہی ہیں یا ان کے علاوہ
 اور بھی ہیں۔“

یہ ایک قصر کے باہر شور و ہنگامہ مٹا گیا اور سب نے اسی طرف کان لگا دیئے مگر
 زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ بہت سے حبشی غلام اور بازاری لوگ چوڑے سیٹھے اور برچھے
 لئے ہوئے اندر گھس پڑے۔ ابن میرد کے مصاحب اور صلبوسی غلام بدحواس ہو کر
 بھاگ گئے۔ اس لیے کہ ہزاروں آدمیوں کا زلفہ تھا جن سے مقابلہ کرنے کی کسی کو جرات
 نہ ہو سکتی تھی۔

کورنگے کا پھل

بلوائیوں نے اندر گھستتے ہی وحشیانہ انداز سے ادھر ادھر دیکھا۔ اُن میں سے ایک کی ابن مبرد پر نظر جا پڑی اور چلتا یا وہ بیٹھا ہے۔ اور سب اس کی طرف جھپٹے۔ اور وہ یاس و اضطراب سے ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔ بلوائیوں میں سے ایک نے تلوار کھینچ کے کہا۔ اُڑا دوں سر۔ دوسرے نے اپنا برچھا اس کے سینے کی طرف تانا اور کہا۔ سینے کے پار کر دوں؟ تیسرے نے ناٹھے ہی پر سے تیر کمان سے جوڑا اور کہا۔ میں اسے اپنا ہدف بناؤں گا۔ چوتھا تبر علم کئے سب کو ہٹاتا ہوا بڑھا اور پانچوں مالوس و بد تو اس ابن مبرد کے سر پر گزرتان کے کھڑا ہو گیا۔ مگر بد نصیب امیر خراج کی زبان سے مارے خوف کے ایک لفظ بھی نہ نکلتا تھا۔

اتنے میں ایک قوی ہیکل شخص نے بڑھ کے اس طرح کس کے ایک لات ماری کہ ابن مبرد قالمین سے دور جاگرا۔ ساتھ ہی وہ شخص اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر نکال کے سینہ چاک کرنے ہی کو تھا کہ ابن طولون نے دوڑ کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا وہ اس گھڑی تک بلوائیوں کی سوزش کا تماشا دیکھتا رہا تھا۔ مگر جب دیکھا کہ ابن مبرد قتل ہونے ہی کو ہے تو اُس کے بچانے کو تیار ہو گیا۔ اور سب کو روک کے کہا۔ تم لوگوں کو کیا شکایت ہے؟ اور ایک سرکاری عہدہ دار کو کیوں قتل کئے ڈالتے ہو؟

یہ سنتے ہی سارے بلوائی جوش سفاکی کو روک کر ابن طولون کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔ اس لیے کہ یہ ظالم ہے کم ظرف ہے۔ ملک کو لوٹے لیتا ہے۔ اور اب اپنی شہادت میں حد سے گزر گیا ہے۔

ابن طولون: "میں والی مصر اور تمہارا حاکم ابن طولون ہوں۔ اگر تم کو شکایت ہو تو مجھ سے کہو۔ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری چارہ جوئی کروں گا۔"

ابن طولون کا نام سنتے ہی سب بلواتی ادب سے صفت باندھ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور جو شخص ابن ببرد کے سینے پر چڑھا بیٹھا تھا اٹھ کر کہنے لگا۔ مگر ہم اس ظالم کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

ابن طولون: "کیا تم لوگ حکومت اور انصاف کو اپنے ہاتھ میں لے لو گے؟ بلواتی: "نہیں گے تو کیا کریں گے۔ جو حاکم اور والی آتا ہے اس کا طرف دار ہو جاتا ہے اور ہماری نہیں سنی جاتی۔"

ابن طولون: "میں سنوں گا۔ معلوم تو ہو کہ تم کو کس بات نے ابن ببرد کا ایسا دشمن بنا دیا ہے۔"

بلواتی: "اس کا دست ستم عام لوگوں سے گزر کے اب ان لوگوں تک پہنچ گیا۔ جو سارے اہل فسٹاط کے محسن ہیں۔ اس سے زیادہ کیا اندھیر ہو گا کہ ہر دل عزیز شاعرادی عزیزہ مصر کو اس نے دھوکے سے بلو کے غائب کر دیا۔ اور کیا عجب کہ ان کو قتل کر ڈالا ہو۔ اس لیے کہ یہ ایک نمک حرام غلام ہے۔ اور کمینہ کو حکومت مل جاتی ہے تو پہلے اپنے محسنوں پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔"

ابن طولون: "اگر اس نے ایسا کیا تو بے شک یہ ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ سخت سزا کا زوار ہے۔ خیر تو تم سب اس کو چھوڑ کے الگ ہو جاؤ۔ اور دیکھو کہ میں اسی وقت تحقیقات کر کے داد رسی کر رہا ہوں یا نہیں۔"

ایک بلواتی: "ابن طولون! گو کہ ابھی یہاں کوئی تجھ کو نہیں پہچانتا مگر تجھ سے پہلے تیری نیکی اور عدالت گسنزی کی خبر یہاں پہنچ گئی ہے۔ اور ساری رعایا نے مصر کی نگاہیں تجھ پر لگی ہوتی ہیں۔ ہم تیرا حکم خوشی سے مان کے اس سے الگ ہوتے جاتے ہیں اور تجھے بھی آزمانے لیتے ہیں دیکھیں تیری نیک نامی رہتی ہے یا جاتی ہے۔"

دوسرا: "ادعا دل امیر! تیرے کہنے سے ہم نے اس کم ظرف غلام کو چھوڑ دیا۔ مگر ہمارے

98238

سامنے ہی تحقیقات کر اور عزیزہ مصر شاہزادی مصر کو بلوا۔ جب تک ہم ان کی صورت نہ دیکھ لیں گے یہاں سے نہ ہٹیں گے۔ اور انہیں اپنے ساتھ لے کے جائیں گے۔
ابن طولون: "تم سب مطمئن رہو میں انصاف کروں گا۔ بلکہ میں تو یہ پہلے سے ارادہ کر چکا ہوں کہ ابن مبرد کی سختیوں کا سدباب کروں (ابن مبرد سے جو اسی طرح زمین پر پڑا ہوا تھا) لے اٹھ کے میرے پاس آؤ اور جو کچھ میں پوچھوں بتاؤ۔"

مگر خوف اور زندگی سے بالکل یاس ہو جانے کے باعث ابن مبرد کے حواس بجا نہ تھے۔ نہ اس میں جواب دینے کا ہوش تھا اور نہ اتنی طاقت تھی کہ خود سے اٹھ کے آئے۔ ابن طولون کے فرزند خارویہ نے باپ کے اشارے سے جا کر اٹھایا۔ تسلی دی اور لا کے اسی جگہ بٹھا دیا جہاں پہلے بیٹھا تھا۔

ابن طولون: "ابن مبرد! اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو جو کچھ پوچھوں سچ سچ بتاؤ اور میرے حکم کی تعمیل کرو۔"

ابن مبرد: (جو اس وقت جان کے خوف سے ہر بات ماننے کو تیار تھا) "میں آپ کا ہر حکم مانوں گا۔"

ابن طولون: "بتاؤ شاہزادی کیا واقعہ ہے؟ کیا واقعی تم نے عزیزہ مصر کو بلایا تھا؟"

ابن مبرد: "کانپ کے (کانپ کے) ہاں بلایا تھا اور وہ زندہ ہیں۔"

ابن طولون: "تو جہاں ہوں اسی وقت میرے سامنے بلواؤ۔"

ابن مبرد: "میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان کو آج ہی چھوڑ دوں گا۔"

ابن طولون: "اس وعدے سے کام نہیں چلے گا خود ان کو لاکے پیش کرو۔ واقعی تم نے اگر ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی تو بڑا انسب کیا۔ جس خاتون کی دولت اسلام عزت کرتی ہے جس کا دربار بغداد تک ادب کرتا ہے اس پر دست درازی کرنے کی میں نہیں سمجھتا تمہیں کس طرح جرأت ہوئی؟"

ابن مبرد: "مجھ سے سُن تو لیجئے کہ میں نے ان کو کیوں اور کس مصلحت سے اسیر کیا؟"

ابن طولون: "میں سنوں گا مگر شاہزادی کے آنے کے بعد اور ان کے سامنے۔"

ابن مبرد: مگر میرا کوئی آدمی تو نظر ہی نہیں آتا بلواؤں کس سے؟ کیے تو خود جا کے آؤں۔

بہت سے بلوائی: نہیں ہرگز نہیں۔ امیر اس کو جانے نہ دیکھے۔ بھاگ گیا تو پھر ہاتھ نہ آئے گا۔

ابن طولون: (بلوائیوں سے) تو پھر ہی لوگ جا کر ان کے کسی آدمی کو ڈھونڈ لاؤ۔ اشارہ ہوتے ہی کئی بلوائی ادھر ادھر جا کے ڈھونڈنے لگے اور چند لمحوں میں چند غلاموں اور جلوس کے دو چار غلاموں کو پکڑ لائے۔ ان کی صورت دیکھ کے ابن مبرد نے حکم دیا کہ شاہزادی عزیزہ مسر کو لے آؤ۔ وہ لوگ اس حکم کی تعمیل کو گئے تو بہت سے بلوائی بھی ان کے ساتھ ہوئے تاکہ شاہزادی کو ابن مبرد کے قید خانے سے نکال کے عزت و حرمت سے لائیں۔ یہی بلند صحن جس پر ابن مبرد اور ابن طولون تھے اس کے نیچے تقریباً پچاس کوٹھریوں کا سلسلہ چلا گیا تھا جس میں اس کے جلوس کے خوش رو غلام رہتے تھے۔ ان کوٹھریوں میں سے ایک کا اندر پشت کی دیوار میں ایک دھواڑہ تھا۔ اس کو کھولنے تو ایک تنگ زینہ ملا جو زمین کے اندر دوڑ تک چلا گیا تھا لیکن کسی طرف سے اس میں روشنی نہ پہنچ سکتی تھی۔

جس کوٹھری میں یہ زینہ واقع تھا اس میں سے دو مشعلیں روشن کر کے ابن مبرد کے غلاموں نے ساتھ لیں اور زینے پر اترنے لگے۔ کئی بلوائی بھی ان کے ساتھ تھے۔ بیس زینوں کے بعد ایک لمبا گلیارہ ملا جس میں اوپر ہی کی طرح برابر برابر دس کوٹھریوں کے دروازے تھے۔ ان تہ زمین کوٹھریوں کے دروازوں میں بڑے بڑے فولادی قفل پڑے ہوئے تھے۔ غلاموں نے ایک کوٹھری کا قفل کھولا تو کوڑوں کے پچھے ایک آہنی جنگلا ملا۔ اس کا قفل بھی کھول کے اس کو پچھے ڈھکیا گیا تو مشعلوں کی روشنی میں نظر آیا کہ شاہزادی بے ہوش اور بے جان پڑی ہے۔ اس لیے کہ ہوا اور روشنی کے نہ ہونے اور سین کی بو سے اس میں ایک دن بھی زندہ رہنا مشکل تھا۔

فوراً سب لوگ جو لانا کو ہاتھوں پر اٹھا کے اوپر لائے۔ ابن طولون کے سامنے لٹا دیا۔ جو بلوائی ساتھ گئے تھے انہوں نے ابن طولون کے سامنے اس تہ خانے کی حالت

بیان کی اور کہا "امیر آپ اس کم بخت کے قید خانے کو بھی خود اپنی نظر سے دیکھیں تاکہ اس کی شقاوت کا حال معلوم ہو۔"

ابن طولون: "میں ضرور دیکھوں گا۔"

اب سب شاہزادی کے عدیم المثال حسن و جمال اس کی پریشان زلفوں اور ہر ہر چیز کو حیرت سے دیکھتے اور افسوس کرتے تھے کہ ایسی پری جمال پر ظلم کرنے والا کیسا شقی القلب ہے۔"

ابن طولون: "اس وقت تو سب سے پہلے شاہزادی کی زندگی کی فکر کرنی چاہیے۔ کسی طبیب کو بلاؤ کہ ہوش میں لانے کی تدبیر کرے۔ مگر کھلی فضا روشنی اور ہوائے بہترین بلکہ آب حیات کا کام دیا۔ جو لیانا نے ناتوانی کے ساتھ آنکھیں کھول دیں اور سب لوگوں کو بھانک نکاہوں سے دیکھنے لگی۔"

ابن طولون: "ابن میرد سے" میں تم کو ایسا بے رحم و سفاک نہیں سمجھتا تھا۔ ایسی پرستجیال اور نازک اندام شاہزادی اور اتنی بڑی معزز و محترم محسنہ ملک کے ساتھ یہ ظلم تمہیں سے ہو سکا؟"

ابن میرد: "مگر میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہاں لے جا کے بند کر دیں جہاں ہوا نہیں پہنچ سکتی۔ میرا منشا تھا کہ اپنی حراست میں رکھیں۔ بے وقوف غلاموں نے وہاں بند کر دیا۔"

ابن طولون: "خیر اس کی بھی تحقیقات ہو جائے گی (شاہزادی سے) آپ کا مزاج ایسا ہے کہ میری باتوں کا جواب دیں؟"

جولیانا: "پہلے یہ بتائیے کہ آپ کون ہیں؟ اور یہاں یہ مجمع کن لوگوں کا ہے؟"

ابن طولون: "میں والی مصر ابن طولون ہوں۔ اور یہ سب لوگ جو گھیرے کھڑے ہیں آپ کے چھڑانے کو آئے ہیں۔"

جولیانا: "ان لوگوں کو میری مضیبت کی کیونکر خبر ہوئی؟"

ایک بلوائی: جو غلام آپ کے ہمراہ آئے تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ آپ گرفتار کر لی گئیں تو انہوں نے فسطاط کی ٹکڑوں پر غل پچانا شروع کیا کہ ابن میرد نے ملکہ عزیزہ مسر کو

زیب سے اپنے گھر میں بلا کے گرفتار کر لیا۔ لہذا ہم لوگ جن پر حضور کے احسانات ہیں اٹھ کھڑے ہوئے اور ارادہ کر لیا کہ آپ کو اس ظالم کے پنجے سے چھڑائیں گے ورنہ اس سے انتقام لیں گے۔“

جولیاننا: (ابن طولون سے) ”خیر اب پوچھئے میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گی اور امید ہے کہ یہ جوابات میرے لیے صحت بخش ہوں گے۔“

ابن طولون: ”تو ذرا بیٹے کہ آپ کو ابن مبرد نے کس طرح بلوایا؟ آپ سے کیا کہا؟ اور کیوں آپ کو گرفتار کیا؟“

جولیاننا: ”میرے پاس اس کا ایک آدمی گیا اور کہا کہ کسی ضروری معاملے میں مشورہ کرنا ہے۔ اور کوئی ہوتا تو میں ہرگز نہ آتی مگر یہ میرے شوہر منصور ابن امیر المؤمنین المتوکل علی اللہ عاشق آل عباس کا زرخیز غلام ہے اور مدتوں میری خدمت کرتا رہا اس لیے۔“

ابن طولون: (حیرت سے) ”یہ آپ کا غلام ہے؟“

جولیاننا: ”جی ہاں۔ میرے شوہر اس کی مستعدی و خدمت گزاری سے خوش ہوئے تو خاص امیر المؤمنین المنتظر کا دستخطی فرمان لاکے اس کو حاکم خراج مقرر کر دیا۔ یہ عہدہ لینے کے بعد اس کو غلامی ناگوار گزرنے لگی اور انھوں نے آزاد کر دیا۔“

ابن طولون: ”تو مرتبہ اور عہدہ بھی آپ ہی کا دلویا ہوا ہے؟“

جولیاننا: ”بہر حال اسنی قدیم تعلق کے خیال سے خاص اپنا آدمی سمجھ کے میں چلی آئی۔ یہاں اس نے چالاک سے میرے ہمراہیوں کو باہر روک دیا۔ جب تنہا اندر آئی تو میری طرف توہین و ذلیل کے الفاظ میں خطاب کرنے لگا پھر جیب میں نے انہیں الفاظ میں جواب دیا جن کا یہ مستحق تھا تو اس نے کہا تمہارے شوہر کی گرفتاری کا حکم بغداد سے آیا ہے اور میں ان کو قید کر کے بغداد بھجوں گا جو بغداد میں جاتے ہی قتل ہوں گے۔ اس کی اس دھمکی کا بھی مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا تو کہا سرکاری ضرورت سے پانچ لاکھ دینار لاکے دو تو تم کو اور تمہارے شوہر کو بچا دوں۔ میں نے انکار کیا اور اسکی

سخت کلامی پر پرافزونہ ہو کر نیچے کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا کان اڑ گیا۔
 ابن طولون: "معلوم ہوتا ہے یہ ابھی ابھی کا واقعہ ہے اس لیے کہ جب میں آیا ہوں تو
 ابن میرد کا کان باندھا جا رہا تھا (ابن میرد کی طرف دیکھ کر) اور معلوم ہوتا ہے کہ تم نے
 میرے نذرانے کا یہی بندوبست کیا تھا۔ مگر مجھ کو تو تم ایک ہی لاکھ دیتے تھے چار لاکھ کیا
 اپنے لیے وصول کر رہے تھے؟"

ابن میرد: "اب آپ میرا بیان سننے کو تیار ہوں تو میں بھی کہوں۔"
 ابن طولون: "ذرا ٹھہرو۔ پہلے شاہزادی کو اپنے گھر جا لینے دو۔ وہاں کچھ دیر آرام سے
 جا کر لیٹیں گی تو طبیعت درست ہوگی۔" یہ کہہ کے ابن طولون نے اپنے بیٹے خارویہ سے
 کہا: "تم خود ہمراہ جا کے شاہزادی عزیزۃ مصر کو ان کے مکان میں پہنچاؤ۔"
 جو لیا نا: "مگر میں ابھی اس قابل نہیں ہوں کہ گھوڑے یا خچر پر سوار ہو سکوں۔" یہ سنتے ہی
 بلوائی اور جو لیا نا کے غلام جلدی سے دوڑ کے ایک چوکی لائے اور کہا: "آپ اس چوکی پر
 آرام سے بیٹھیں ہم اپنے کندھوں پر اٹھا کے لے چلیں گے ابن طولون نے بھی اسی
 کو پسند کیا۔ فوراً خارویہ نے سہارا دے کر جو لیا نا کو چوکی پر بٹھا دیا۔ اور سب لوگ جوش و خروش
 سے فتح و کامیابی کے نعرے مارتے ہوئے لے چلے۔ خارویہ گھوڑے پر سوار آگے
 آگے تھا اور پیچھے شاہزادی کی سواری تھی جس کو دیکھ کر بازاری اور راہگیر خوشی کے
 نعرے مارتے اور اس پر پھول برس رہے تھے اور تمام شہر والوں کے جوش و خروش
 سے معلوم ہوتا تھا کہ آج فسطاط میں کسی قومی عید اور خوشی کا دن ہے۔"

ابن طولون کا فیصلہ

اب وہ وقت تھا کہ ابن طولون ذلیل و کمینہ جو ظالم ابن میرد کے معاملے کا فیصلہ کرے جس کے انتظار میں بہت سے بلوائی ٹھہر گئے تھے اور اصرار کر رہے تھے کہ بغیر اس کا فیصلہ کئے آپ تشریف نہ لے جائیں۔

ان واقعات نے ابن طولون کے ایسے نہایت ہی متین و سنجیدہ اور رُکے تھے آدمی کو بھی اس قدر مشتعل و از خود رفتہ کر دیا تھا کہ ابن میرد کی طرف دیکھ کر کہا: "اوبے عیا و فریابہ غلام ابلق! ظلم کرنے کے لیے تجھ کو اپنی دلویہ نعمت کے سوا اور کون نہ ملا؟ مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں کے پنچہ غضب سے میں نے تجھ کو کیوں چھڑایا اور اگر اس افسوس کو کوئی چیز تسلی دیتی ہے تو وہ نقطہ یہ ہے کہ شاہزادی جو یانا زندہ بچ گئی جو اگلی تاریخ فتوح اسلام کی یادگار اور فسطاط کا دل کش پھول ہے اب تیا تو کیا کہتا ہے اور ان الزامات سے بچنے کے لیے تیرے پاس کیا جواب ہے؟"

ابن میرد: آج کل بغداد کی جو حالت ہے کسی شے چھپی نہیں۔ وہاں ترکوں کا زور ہے جو ہر وقت روپیہ کے بھوکے رہتے ہیں جس کو سر پر خلافت پر بٹھاتے ہیں دوسرے ہی دن اُس سے روپیہ کا تقاضا شروع کرتے ہیں۔ اور نہ ملا تو اُسے قتل کر کے دوسرے کو بٹھاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کتنا ہی روپیہ بھیسوا جاتے پوری نہیں پڑتی ہے امیر المؤمنین المنتصر باللہ نے جب اپنے والد امیر المؤمنین المتوکل علی اللہ کو ترکوں سے

۱۰ غلام آقا سے بے وفائی کرے اس کو عرب غلام ابلق کہتے ہیں۔

سازش کر کے قتل کرایا اور مندر خلافت حاصل کی تو اپنے بھائی منصور کو مصر سے بل بھیجا کہ اس کے عیش کی صحبتوں میں شریک ہوں۔ منصور یہاں فسطاط میں حکومت مصر سے علیحدہ ہونے سے پہلے ہی اس فکر میں تھے کہ اس شہزادی عزیزہ مصر سے شادی کریں جو مصر میں سب سے بڑی دولت کی وارث ہیں۔ مگر خلیفہ وقت بھائی کے بلا تے پر بغداد چلے گئے اور میرے ذمے یہ کام چھوڑ گئے کہ جو یانا کو جو اپنے چچا کی ولایت میں زندگی بسر کر رہی تھیں کوشش کر کے ان سے شادی کرنے پر راضی کر دوں۔ اور ان کے ماموں اور دیگر ارکان خاندان والوں کو بھی ہموار کر لوں۔ اس خدمت کو میں نے نہایت محنت اور وفاداری سے انجام دیا۔ جس کا منصور نے یہ معاوضہ کیا کہ بغداد سے آئے تو میرے لیے خاص امیر المؤمنین سے دستخط کرا کے پروانہ و امارت خراج لیتے ہیں۔ اور میں اس خدمت پر مقرر ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے عزیزہ مصر سے شادی کی اور شادی کے چند روز بعد مجھے آزاد کر دیا۔ اور اس آزادی کی یہ وجہ ہوئی کہ اگرچہ میری کوشش سے شادی ہوئی تھی مگر جو یانا نے شوہر کے گھر آ کے میرے ساتھ بہت ادنیٰ درجے کے غلاموں کا سا برتاؤ کرنا شروع کیا۔ ذرا ذرا سے کاموں کے لیے مجھ کو دوڑاتیں۔ اگر کسی کام میں ذرا بھی سستی یا ان کے حکم میں ادنیٰ تاخیر بھی ہو جاتی تو مجھے برا بھلا کہتیں۔ اور دو ایک بار مجھ کو انہوں نے پٹوایا بھی اس سے انکار نہیں کہ میں ان کے شوہر کا غلام تھا۔ مگر کوئی معمولی غلام نہ تھا اول تو اب میں حاکم خراج تھا۔ دوسرے وہ میری ہی کوشش سے خلیفہ عباسی کی بہو بنی تھیں۔ جو کوئی تھوڑا احسان نہ تھا مگر اس کا انہوں نے مطلق خیال نہ کیا۔ آخر میں نے کئی بار اس کی شکایت اپنے اقا منصور سے کی۔ مگر وہ بیوی پر ایسے فریفتہ ہو رہے تھے کہ مطلق سماعت نہ کی۔ اور جب میں ان کے سامنے اپنی مصیبت پر زیادہ رو دیا تو انہوں نے ناراضی کے ساتھ مجھے آزاد کر دیا۔ ان باتوں نے میرے دل میں یہ جوش پیدا کر دیا کہ دونوں میاں بیویوں سے اپنا انتقام لوں۔ اسی اثنا میں مجھے معلوم ہوا کہ منقر کے مار ڈالے جانے کے بعد بغداد میں مشہور ہوا کہ منصور وہاں سے ایک تاریخی عجمی قالین اور بہت سے جواہرات چورالائے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ بغداد میں

سرداران مساکر ترک نے مقصم بالشد کے ایک من ریدہ فرزند کو تخت پر بٹھا دیا ہے جنہوں نے المستعین بالشد کا لقب اختیار کیا۔ اور اس کی کوشش ہو رہی ہے کہ متوکل کی نسل کا فاتحہ کر دیا جائے۔ اور وہ سلطنت کے مجرم ہیں۔ ایسی حالت میں اگر میں نے منظور امدان کی بیوی کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا تو چاہے اس میں انتقام کا خیال بھی موجود ہو میں نے کوئی ناجائز کارروائی نہیں کی اور اس پر مجھ کو الزام نہیں دیا جاسکتا۔“

ابن طولون: ”اور تم نے جو پانچ لاکھ روپیہ مانگے یہ بھی سلطنت کے حکم سے مانگے۔“

ابن میرد: ”سلطنت کے حکم سے نہیں تو سلطنت کے لیے سہی۔ مجھے حق ہے کہ جن لوگوں کو سرکاری خزانے کا چور اور مجرم پاؤں ان سے جتنی رقم چاہوں بطور عہد مانے کے وصول کر لوں یا ان کی ساری جائداد ضبط کر لوں۔“

ابن طولون: ”یہ تو والی ملک کا کام ہے۔“

ابن میرد: ”اور میں بھی کوئی کارروائی بغیر آپ سے منظوری لئے نہ کرتا۔ آج ہی اس کارروائی کا آغاز ہوا ہے۔ کل میں شاہزادی اور ان تمام امور کو آپ کے سامنے پیش کرنے والا تھا۔“

ابن میرد کا بیان سن کر ابن طولون دیر تک غور کرتا رہا۔ پھر سب لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا ”ان کے معاملے کا تصفیہ بغیر ذرائع خلالت سے دریافت کئے نہیں ہو سکتا اس لیے سردست میں ان کو چاہتا ہوں کہ قید رکھوں۔ اگر تمہاری خوشی ہو تو میں اپنے پاس قید رکھوں۔ اور اگر تم کو میرا اعتبار نہ ہو تو تم خود ان کو لے جا کے اپنے پاس حفاظت سے رکھو۔ اور جس دن یہ فیصلہ کے لیے طلب کئے جائیں حاضر کرو وگرنہ میں یا تم جو اپنے پاس قید رکھے وہ ان کی حراست کرتے وقت حاضر کر دینے کا ذمہ دار ہو گا۔“

بلواتی: ”ہم اس کو اپنی حراست میں رکھیں گے۔“

ابن طولون: ”میں اس کو خوشی سے قبول کرتا ہوں۔ مگر تم لوگ اپنی ذمہ داری کو بخوبی سمجھ لو اگر تمہاری حراست سے یہ نکل گئے تو تمہاری جانیں اور مال دونوں ذمہ دار ہوں گے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جب تک آخری فیصلہ نہ ہو ان کا بال بیکا ہونے۔ اگر یہ مر گئے

یا ان کے حیم کو کسی قسم کا نقصان پہنچ گیا تو بھی تم ذمہ دار ہو گے۔“
 بلوائی: ”ہم سب ذمہ داریاں اپنے سر لینے کو موجود ہیں۔“
 ابن طولون نے ابن مبرود سے کہا ”تم کو اپنے اعمال اور کورنکی کا انتقام دنیا ہی میں ملنا شروع ہو گیا جاؤ ان لوگوں کی قید میں رہو۔ اور۔۔۔“
 ابن مبرود: ”مجھے اپنی قید میں رکھیں۔ ان لوگوں سے مجھے اپنی جان کا اطمینان نہیں ہے۔“
 ابن طولون: ”تم کو نہ ہو مگر مجھ کو ہے۔ ابھی تم دراصل انہیں کے اسیر ہو اور انہیں کی قید میں رہو گے۔ سلطنت جب تمہارے بارے میں فیصلہ کر چکے گی اس وقت تم کو ان سے لے کر جو چاہے گی کرے گی۔ ممکن ہے کہ تم چھوڑ دیے جاؤ۔ اور ممکن ہے کہ قید ہو یا کوئی اور نزا دی جائے۔“

ابن مبرود: ”ان کے حوالے کرنے سے اچھا ہے کہ آپ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔“
 ابن طولون: ”افسوس کہ تمہاری اس تمنا کو میں نہیں پورا کرتا۔ خیر اب یہ بھی سن لو تم نے مجھے ایک لاکھ دینار نذرانہ دینے کو کہا تھا جس کو اب تم کسی طرح نہیں پورا کر سکتے۔ اس لیے کہ تمہارا سارا مال و اسباب بھی گزشتہ چہرہ دستیوں کی پاداش میں ضبط کر لیا جائے گا۔ میں اس نذرانے کے عوض میں تمہارے ان سو غلاموں کو لیے لیتا ہوں جو مجھ کو بہت پسند آئے۔ تمہارے مکان اور تمہارے تمام متعلقین پر بھی جب تک فیصلہ نہ ہو پہرہ بٹھا دیا جائے گا۔“

یہ فیصلہ سن کر ابن مبرود رونے لگا۔ مگر اس کے مظالم ایسے تھے کہ کسی کو ترس نہ آیا اور اسکے غلاموں میں سے چند جو سامنے کھڑے تھے ان کو ابن طولون نے حکم دیا کہ تم لوگ اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کرو۔ جب تک میں مغرب کی نماز پڑھوں۔ نماز کے بعد تم سب مجھے یہاں صاف بستہ ملو۔“

غلام اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈھنے کو دوڑے۔ اور ابن طولون نے سجاتے جامع عمرو ابن ابی عاص میں جانے کے یہیں خضوع و خشوع اور نہایت وقار سے نماز پڑھی۔ اب اندھیرا ہو گیا تھا اور مشعلوں کی روشنی میں ابن طولون نے دیکھا کہ غلام زرق برق پڑے

پہنے سامنے صفت باندھے کھڑے ہیں۔ اُن کے سردار کو اس نے قریب بلایا اور کہا
 آج سے تم سب میرے غلام ہو۔ اور جس طرح ابن مبرد کے ساتھ رہا کرتے تھے۔
 میرے یہاں اور میرے ہمراہ رہا کرو۔ امید ہے کہ تم مجھ کو ابن مبرد سے اچھا آقا پاؤ
 گے۔ اگرچہ تم سب اس ظالم و کم ظرف امیر خراج کے کاموں میں شریک ہو لہذا ضرورت
 ہے کہ اس کی سزا میں بھی شریک کیے جاؤ۔ مگر میں تمہارا قصور معاف کر کے تمہیں اپنے
 ساتھ لے لیتا ہوں۔“

غلاموں کے سردار نے عاجزی کے ساتھ اظہار احسان مندی کیا۔ اور اس نے
 اور اُس کے ساتھ سارے غلاموں نے لغزہ مارا کہ ”ابن طولون کا اقبال بلند“
 اب طولون نے ابن مبرد کو بلوائیوں کے حوالے کیا اور ان کے چند سرغناؤں سے
 اس مضمون کی تحریر بکھوالی کہ ”مجرم ابن مبرد کو“ حفاظت کے ساتھ اپنی حرالت میں
 رکھیں گے۔ اس کو کسی قسم کا آزار نہ پہنچائیں گے۔ اور جب طلب کیا جائے فوراً حاضر
 کر دیں گے۔ ورنہ اس کا معاوضہ اُن کی جانوں اور جائیدادوں سے وصول کیا جائے گا۔“
 پھر کو تو ال شہر ابن دغنے کو بلوائیوں کے حکم دیا کہ ابن مبرد کے زن و فرزند اہل و عیال۔
 متعلقین اور اس کی ساری جائیداد اور تمہاری حفاظت میں چھوڑی جاتی ہے۔ تمہارا
 فرض ہے کہ آج سے کل تک پورا تعلقہ کر کے پرسوں شب کو میرے سامنے پیش کر
 دو۔ اور پہرہ مقرر کر دو کہ کوئی شخص یا چیر جانے نہ پائے۔ یہ انتظام آخری فیصلہ
 تک رہے گا۔ اور اگر اس میں ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو تم کو سخت سزا دی جائے گی۔“
 بہر حال اسی وقت بلوائی ابن مبرد کو زنجیروں میں جکڑ کے اپنے ساتھ لے گئے ابن
 طولون ابن مبرد کے غلاموں کے جلوس اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قصر شمع میں گیا جس
 میں وایان مصر رہا کرتے تھے۔ اور ابن دغنے نے اپنی جمعیت کے لوگوں کو بلا کے
 ابن مبرد کے مکان کو گھیر لیا اور اس میں رہنے والوں ملازموں غلاموں، جانوروں
 اور مال و اسباب کی فہرستیں مرتب کی جانے لگیں۔

یہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ اس کی بدولت ابن طولون ایک ہی دن میں فسطاط کی

رعایا سے روشناس اور ان میں نہایت ہی ہر دل عزیز ہو گیا اور یہ اس کے عہد ولایت
 کا پہلا کا نام سمجھا گیا جس نے اُس کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں بڑی بڑی امیدیں
 پیدا کر دیں۔ اور جو تھا اس کا حکم ماننے اور اس پر جان فدا کرنے کو تیار تھا۔

پانچواں باب

عزیزہ مصر کا گھر

دیوانے نیل کے کنارے ایک بہت بلند ٹیلے پر ایک عالی شان قصر ہے جس کے سامنے دریا کی طرف کے پھیانگ کے آگے ایک مسطح تختہ زیر زمین نکال کے اس میں چمن بندی کر دی گئی ہے۔ اور اس سے پانی کے اندر تک پختہ بیڑھیاں بنتی چلی گئی ہیں۔ مگر یہ چمن اور قصر اتنی بلندی پر واقع ہیں کہ سیلاب نیل کے زمانے میں چاہے کتنی ہی بندی تک پانی چڑھ جائے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ قصر کے ٹہرے کلس دور دور تک نظر آتے ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ یہ قصر فسطاط میں پڑا ہے۔ قصر شمع کا جواب ہے جو ایک مدت تک ایرانی اور رومی حکام مصر کا دار الحکومت رہ چکا تھا اور فی الحال مسلمان و ایرانیان مصر کا مسکن و دار لائارت ہے۔

شہر کی بڑی آبادی باروتی سڑک جو قصر شمع سے آئی ہے گنجان آبادی سے نکلنے ہی اس ٹیلے پر چڑھ کے قصر کے جنوبی پھیانگ میں داخل ہو گئی ہے۔ لہذا اس طرف اگر قصر کے بند دروازوں سے دیکھئے تو سارا شہر فسطاط نظر کے سامنے ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی اچھا نقاش ہو تو یہاں سے کھڑے ہو کر شہر کا بہت ہی اچھا اور سچا نقشہ کھینچ لے سکتا ہے۔ قصر کی بلندی تک اونٹ تو نہیں پہنچ سکتے مگر گھوڑے اور خچر خوب ڈرتے ہوئے چلے جاتے ہیں جو یہاں پہاڑوں پر چڑھنے کے عموماً عاری ہوتے ہیں۔ اسی سڑک پر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک پر جوش جلوس آبادی سے نکل کر قصر کی طرف چڑھنے لگا ہے۔ آگے آگے ایک سولہ سترہ سال کا خوش رو خوش پوشاک نوجوان ہے جو ترکی وضع کے بانکے عمامے میں کلغی لگائے ہے اور اس کے پیچھے پیچھے جلوس کے عنوان

سے چار مسلح سوار ہیں جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں رخصت ہونے والے آفتاب کی زرد شعاعوں میں چمک رہی ہیں۔ یہ نوجوان نئے والی مصر ابن طولون کا بیٹا خارویہ ہے اور اتنا ہی سن کر ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کے پیچھے جو پری جمال و حور خصال خاتون تخت رواں پر بیٹھی ہزاروں رومیوں کے پر جوش نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ آرہی ہے عزیزہ مصر شاہزادی جولیا نا ہے۔ اس کی یہ سواری شہر میں گزری تو جو دیکھتا ساتھ ہولیتا۔ اور جتنے وفادار جان نثاروں کا گروہ اس کو ابن مبرد کے مکان سے لے کے چلا تھا اس کے سو گئے آدمی اس وقت ہمراہ نظر آ رہے ہیں جب کہ وہ اپنے قصر میں پہنچی جس کی تصویر ابھی ہم نے اپنے ناظرین کو دکھائی ہے۔

آخر یہ جلوس قصر کے جنوبی پھاٹک پر پہنچ کے رک گیا۔ چونکہ زمین پر رکھی گئی اور جولیا نا کھڑے ہو گئے سب ہماریوں کی طرف دیکھا اور اپنی شہر میں پر نعرہ آواز میں کہا آپ سب لوگوں کی محبت و عنایت کا شکریہ ادا کرنا میرا مکان سے باہر ہے۔ اپنے میری جان بچائی۔ اور اگر چند گھنٹے بچھے اور خیر نہ جاتی تو مجھے کوئی زندہ نہ پاتا آج معلوم ہوا کہ ظرف غلام آزادی پانے کے بعد کیے شقی القلب ہو جاتے ہیں اور آج ہی مجھے آپ کی قدر معلوم ہوئی ظالم کی روح فرسا قبیلے نے تھوڑی ہی دیر میں میری روح اس قدر تحلیل کر دی تھی کہ اس وقت کہ اس وقت تک مجھے جوش بھی آیا تو۔ یا شاید جان برہی ہو سکتی۔ مگر آپ کی محبت نے سیمائی کی۔ اور آپ کے کلمات جوش نے میرے مردہ جسم میں نئی روح پھونکی اور اب خدا کے فضل سے میں بہت اچھی اور توانا و تندرست ہوں۔ اور اپنی کامل صحت کا اطمینان دلا کے رخصت ہوتی ہوں۔“

جولیا نا کے یہ الفاظ سنتے ہی سب لوگ پھر جوش و خروش کے نعرے مارنے لگے۔ اور جولیا نا خارویہ کو ساتھ لے کے جو گھوڑے سے اتر چکا تھا قصر کے اندر داخل ہوئی۔ اور یہی وقت ہے جب کہ اس کو رحم دل و عدالت گستر حاکم مصر کے عزیز فرزند خارویہ سے بات کرنے کا موقع ملا کہنے لگی ”میں آپ کے والد کی اور آپ کی بے حد شکر گزار ہوں۔ انہوں نے مجھے ذلیل موزی ابن مبرد کے پنچہ ستم سے چھڑایا اور آپ نے مجھے یہاں تک پہنچانے کی رحمت گوارا کی۔“

خارویہ: ”مجھے اپنی زندگی کے اس دن پر ہمیشہ ناز رہے گا جس میں مجھے ایسی معزز و

محترم نازنین اور ایسے معشوقہٴ دل ربا کی خدمت ادا کرنے کا موقع ملا۔

جولیا تاہیہ آپ کی شریف النفسی و عالی ظرفی ہے جو ایسا فرماتے ہیں۔ چلتے میرے شوہر منصور بن عباسی سے بھی مل لیجئے۔ وہ آپ سے اور آپ اُن سے مل کے خوش ہوں گے۔

خارویہ: "اگرچہ والد منتظر ہوں گے اور مجھے جلدی واپس جا کر اُن سے آپ کے معائنہ گھر پہنچ جانے کی اطلاع کرنا ہے مگر آپ کے حکم کے خلاف بھی نہیں کر سکتا کیا امیر المؤمنین متوکل اللہ علی اللہ کے فرزند یہاں موجود ہیں؟"

اتنے میں ایک شریفانہ صورت رینسانہ شمائل اور شاہانہ خصائل کا خوش رو شخص جس کی ہلمز پچیس تیس سال سے زیادہ نہ ہوگی اور نہایت ہی مکلف لباس میں تھا جلد جلد قدم اٹھاتا ہوں اگر محل کی عمارت کے باہر جولیا تاہیہ سے ملا اور کہا "پریش عزیزہ مصر ابن مبرد سے مل آئیں، اس نے کس لیے بلایا تھا؟"

جولیا تاہیہ: (ہنس کے) "آپ کو ابھی تک نہیں خبر کہ اس نے کس لیے بلایا تھا۔ منصور: "مجھے کیا خبر؟ میں تو اپنے کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ تمہارے انتظار میں گھر طیاں گن رہا تھا۔"

جولیا تاہیہ: اس کا حال مجھ سے اچھا شاید والی ابن طولون کے یہ اقبال مند و نوجوان طالع صاحبزادے خارویہ بیان کریں گے (خارویہ سے) یہ میرے شوہر منصور ہیں۔ ان سے ملیے اور ساری سرگزشت بیان فرما دیجئے جس کے یاد آنے سے میری روح تحلیل ہوتی لگتی ہے۔"

اس تعارف کے ساتھ ہی خارویہ نے ادب سے منصور کو سلام کر کے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور چند معمولی ضروری کلمات ملاقات کے بعد خارویہ نے شاہزادی کی اسیردہائی کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ منصور یہ واقعات سن کر حیرت میں آگیا۔ اور آخر ایک ٹھنڈی سانس لے کے بولا "مجھے نہیں خبر تھی کہ اس ذلیل حبشی کے دل میں اس قدر بغض بھرا ہوا ہے۔ افسوس اب اس پر میرا زور نہیں چل سکتا۔ میں نے اس کو آزاد ہی

نہیں کیا بلکہ اس کے ہاتھ میں قوت دے دی۔ مگر بغداد میں میرا اتنا اثر نہیں باقی ہے کہ اس کو موقوف کراؤں۔“

خارویہ: ”آپ مطمئن رہیں۔ اس کام کو والد پورا کر دیں گے۔“
منصور: ”تو میں ان کا نہایت شکر گزار ہوں گا۔“

خارویہ: اب مجھے واپس جانے کی اجازت دیجئے۔ والد منتظر ہوں گے۔ اور ان کا دل لگا ہو گا کہ شانہ زادی کا مزاج وہاں سے آنے کے بعد کیسا رہا۔ اور مجھے بھی اس کی فکر ہے کہ وہاں ابن مبرد کے بارے میں والد نے کیا فیصلہ کیا۔ والد کے ہمراہ دو چار غلاموں سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور بلوائیوں کی اس قدر یورش ہے کہ اندیشہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ والد کا یہ اصول ہے کہ وہ ہر معاملے میں کسی کی مروت اور صنیہ داری نہیں کرتے۔

جولیانا: ”میں سمجھتی تھی کہ آپ تھوڑی دیر تشریف رکھیں گے اور کچھ باحضر تناول فرمائیں گے۔“

خارویہ: اس فخر کے حاصل کرنے کے لیے میں پھر حاضر ہوں گا۔ لیکن اگر اس وقت جلدی واپس نہ گیا تو والد ناراض ہوں گے۔

منصور: ”مگر جانے سے پہلے اقرار کرتے جاتے کہ اب کب ملاقات ہوگی؟“

خارویہ: ”جس دن فرمائیے۔ میں ہر روز آسکتا ہوں۔“

جولیانا: ”توکل ہی تشریف آئیے مجھے چند ضروری باتوں میں مشورہ کرنا ہے۔“

اس کے بعد خارویہ ادب و شائستگی کے ساتھ منصور اور جولیانا سے رخصت ہو کر اپنے چاروں ہمراہی سواروں کے ساتھ واپس گیا اور منصور و جولیانا قمر کے اندر جا کے ایک مسند پر بیٹھ گئے۔ جولیانا تمام واقعات اور ابن مبرد کی گستاخانہ باتوں کو از سر نو بیان کر کے کہا، مگر مجھے بہت بڑی فکر آپ کے متعلق ہو گئی ہے۔ ابن مبرد کے بیان سے معلوم ہوا کہ بغداد کے دزر اور امرا آپ کے دشمن ہو رہے ہیں۔ اور آپ کی تلاش میں ہیں۔“

منصور: "اس کا کسی قدر مجھے بھی چند روز سے علم ہو گیا تھا مگر تم سے اس لیے نہیں بیان کیا کہ تم پریشان ہو گے۔ لیکن مجھے اس کا یقین نہیں آتا کہ ابن مبرد کے نام اس قسم کا کوئی حکم آیا ہو۔ وہاں سے حکم آتا تو والی مصر کے نام آتا۔"

جولیان: "لیکن مجھے کچھ وہاں کا حال تو بتائیے ابھی تک تو میں سمجھ رہی تھی کہ ابن مبرد نے روپیہ کے لالچ میں جھوٹ سچ باتیں بنا دیں۔ مگر آپ کے کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیان صحیح ہے۔"

منصور: "تم سے کیا کہوں؟ کوئی خوشی اور اطمینان کی بات ہوتی تو کہتا۔ ان باتوں سے بجز اس کے کہ جو صدمہ میرے دل پر ہے اس سے تمہارے نازک دل کو بھی دکھا دوں اور کیا مانگہ ہو گا؟"

جولیان: "تو کیا میں تمہارے رنج و راحت کی شریک نہیں ہوں؟"

منصور: "ہو۔ مگر ابھی تمہارا سن ایسے صدموں کے اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ تاہم مجھے بتا دینے میں کوئی بند نہیں ہے۔"

خلافت بغداد کی پولٹیکل حالت

اب منصور نے اپنی ناز آفرین بیوی کی تسلی و دلہی کے خیال سے اپنے اور دولت خلافت عباسیہ کی موجودہ پولٹیکل حالت ان الفاظ میں بیان کرنا شروع کی۔

”حسرت سے کہنا پڑتا ہے کہ اب ہمارے خاندان سے خلافت تشریف لے جاتی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جاہلی۔ اور یہ سب اُن جاہل و بے عقل خلیفہ کی حماقتوں کا نتیجہ ہے جو ہمارے دادا تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ امراء عرب میں عیش پرستی و بزدلی کے ساتھ سرکشی اور نافرمانی کا مادہ پیدا ہو گیا ہے۔ تو ترکی کے غلاموں کو جمع کرنا شروع کیا۔ جو بظاہر نہایت ہی فرما بردار نظر آتے اور اُن کے اشاروں پر چلتے تھے۔ ان غلاموں کا پورا ایک زبردست لشکر پیدا ہو گیا جس سے جہاد و ملک گیری کا تو کبھی شاذ و نادر ہی کام لیا گیا۔ مگر ہاں اُن کا رعب و اب البتہ بڑھ گیا اور نسل عرب کے معزز لوگوں کو ان سے اذیت پہنچے گی۔ یہاں تک کہ چند روز میں اُن غلاموں نے شرفائے بغداد اور وہاں کی غریب رعایاے عرب کو اس قدر تانا اور پریشان کرنا شروع کر دیا کہ آخر دادا المعتصم باللہ کو اپنے ترکی غلاموں کے رہنے کے لیے نیا شہر سرسن رائے (موجودہ سامرہ) آباد کرنا پڑا۔ جہاں کی سکونر خود انہوں نے بھی اختیار کر لی۔ اور گویا ترکوں نے عباسی خلیفہ کو اس کے نبی اعمام اعزہ اور ابنائے وطن سے چھین لیا۔ تاہم اُن کے زمانے تک خلافت کی سطوت قائم رہی۔ اور قیصر روم کو ایک زبردست شکست دے کر انہوں نے ناموری بھی حاصل کر لی۔ اُن کے بعد پانچ چھ سال تک اُن کے فرزند الواثق باللہ خلیفہ رہے۔ پھر ۲۳۲ھ ہجری میں اُنکے

بیٹے جعفر متوکل جو میرے والد بزرگوار تھے سر پر خلافت پر بیٹھے۔ وہ زیادہ تر مذہبی جھگڑوں اور معتزلیوں کے استیصال میں مصروف رہے جس چیز نے ان کو ملک گیری و جہان بانی کے معاملات سے بالکل غافل رکھا۔ اور سب سے زیادہ خرابی یہ تھی کہ ان کو مجھ سے اس قدر زیادہ محبت تھی کہ مجھی کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتے تھے۔ اور میرے بڑے بھائی محمد کے خلاف تھے جن کو پہلے ولی عہد تسلیم کر چکے تھے۔ آخر اظہار غایت کے لیے انہوں نے مجھ کو ولی مصر مقرر کر دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ بھائی محمد میرے دشمن ہو کر ترک سرداروں سے بیازش کرنے لگے اور انہیں یہ دھن ہو گئی کہ کسی تدبیر سے مجھ کو مروا ڈالیں میرا اس دنوں اٹھارہ میں سے زیادہ نہ تھا۔ بھائی کو اپنے خون کا پیاسا سنا اور ترک غلاموں اور ترک سرداران فوج میں ان کا اثر بڑھتا دیکھا تو چھپ کے مصر میں بھاگ آیا میں اگرچہ مصر کا ولی تھا مگر والد کے پاس بغداد ہی میں رہتا تھا۔ اور میری طرف سے ایک نائب یہاں حکومت کرتا تھا۔ خود میرے یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی مگر جان کے خوف سے گھر چھوڑ کے بھاگنا پڑا۔

میرے آنے کے بعد بھائی میرے قتل کرنے سے زیادہ سنگین جرم پر آمادہ ہو گئے اور ارادہ کیا کہ خود والد کو قتل کر کے تخت خلافت پر بیٹھ جائیں۔ محل کے تمام

ترک غلاموں اور فوج کے تمام اتاری سرداروں سے ان سے سازش تھی ہی۔ اس کوشش میں ان کو زیادہ دشواری نہیں پیش آئی۔ والد کے مخصوص ترک غلام باغرا اور اس کے کئی رفیقوں نے ۲۳ھ کی ایک خوفناک رات میں والد کے دیوان خانے میں گھس کر ان کو اور ان کے وزیر خاقان کو قتل کر ڈالا اور بھائی محمد نے خلیفہ بن کے المنتصر باللہ کا لقب اختیار کر لیا۔

تخت نشین ہوتے ہی انہوں نے مجھ کو ولایت مصر سے معزول کر دیا اور ساتھ ہی لکھا "اگر تم بے عذر میرے پاس چلے آؤ گے تو جان بخشی و عزت افزائی ہوگی اور چھوٹا عزیز بھائی سمجھ کے تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔ ورنہ جہاں ہو گے میرے سردار تم کو ڈھونڈ کے قتل کریں گے۔ اب بجز اس کے کوئی مغز نہ تھا کہ فوراً

اُن کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ چنانچہ خط پڑھتے ہی میں نے ان کو اطلاع دی کہ میرے
حسب الحکم بھائی کی شفقت کا لطف اٹھانے کے لیے حاضر ہوتا ہوں۔ اور آپ کو یقین
دلاتا ہوں کہ کبھی کسی امر میں آپ کے حکم خلاف نہ کروں گا۔ اور اس خط کے روانہ کرنے
کے چوتھے روز بذات خود بغداد کی راہ لی۔

اُن دنوں پیاری جو یانا مجھے تمہارے عشق نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ تمہارے ساتھ
شادی کا پیام دیا تھا اور تمہارے عزیزوں اور ولیوں کے راضی کرنے کی کوشش کر رہا
تھا۔ کیسا ہی ضروری کام ہوتا میں نہ جاتا۔ مگر یہ ایسا معاملہ تھا کہ جوش عشق پر بھی غالب
آگیا۔ اور اپنی زندگی کی مسرتوں اور تماشوں کو یہیں چھوڑ کے عراق میں پہنچا۔

جب میں سامنے پہنچا تو بھائی منتصر باللہ سر پر خلافت پر بیٹھے تھے۔ میں نے بڑھ کے
اُن کے رُاز کو پوسہ دیا اور سامنے مؤدب کھڑا ہو گیا۔ پہلے دیر تک وہ میری صورت دیکھ
دیکھ کے مسکراتے رہے۔ پھر کہا "تم کو تو نامرادی و ناکامی کا بڑا افسوس ہو گا۔ میں نے قسم
کھا کے کہا اللہ! مجھے خلافت کی ہوس نہ تھی اور نہ ہے۔ اور نہ کبھی میرے دل میں یہ
خیال آیا کہ بڑے بھائی کو محروم کر کے میں بانٹین خلافت بنوں۔ مگر والد مرحوم کے طرز عمل نے
آپ کو مجھ سے بدظن کر دیا ہو گا۔" اس پر اُنہوں نے کہا "مجھے اس زمانے کے واقعات سے
تعلق نہیں۔ مگر اب تو تمہارے دل میں بغض و عداوت نہیں؟" اس پر میں ابدیدہ ہو گیا
اور کہا "معاملہ ایسا نازک ہے کہ آپ کو شاید اعتبار نہ آئے۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے
آپ کی اطاعت و غلامی میں جو مسرت ہوگی حکمرانی میں نہیں ہو سکتی۔" اس کا منتصر پر ایسا اثر
پڑا کہ تخت سے اُٹھ کر مجھے گلے لگایا۔ میری پیشانی چومی اور کہا "تمہارا یوں اشارہ ہونے
ہی چلا آنا تمہاری سچائی اور صاف دلی کی دلیل ہے۔ اور اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم
مجھ کو والد سے زیادہ اپنے حال پر شفیق پاؤ گے۔" اس پر خوش ہو کر اظہار احسان مندی
میں میں نے پھر اُن کے قدم چومے اور انہوں نے اس گھڑی سے مجھ کو اپنا انیس صحبت
بنالیا۔

اب بھائی منتصر کو بغیر میرے نہ دربار میں لطف آتا اور نہ سیر و شکار میں نہ کوئی

بزمِ طرب مجھ سے خالی ہوتی اور نہ کوئی خلوت کی صحبت۔ اندر باہر خلوت و خلوت میں ہر وقت میں موجود رہتا تھا۔ اور ان کو اپنی اولاد سے شاید اتنی صحبت نہ تھی جتنی مجھ سے تھی۔ مگر والد کے قتل کرنے سے ترکی سرداروں کے منہ کو خون لگ گیا تھا اور ان کے دل میں خیال پیدا ہو گیا تھا کہ خلافت ہماری لونڈی ہے۔ ہم جس کو چاہیں دلوادیں اور جس خلیفہ کو چاہیں قتل کر ڈالیں۔ بھائی سے وہ بار بار روپیہ کا تقاضا کرتے۔ اور جب نہ دیا جاتا یا خزانے میں نہ ہوتا تو ان کے چشم و ابرو سے ناراضی ظاہر ہوتی جس سے میں بہت خائف تھا۔ اور کئی بار بھائی سے کہا بھی کہ یہی تاتاری سردار جنہوں نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے ایسا نہ ہو کہ آپ کے دشمن ہو جائیں۔ مگر انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ "تم والد کے واقعے سے خائف ہو۔ مگر یہ لوگ میرے دوست اور جان نثار ہیں۔ اور غیر ممکن ہے کہ میرے ساتھ دغا بازی کریں۔ لیکن آخر میں ایک بار جب کہ کوئی اور قریب نہ تھا انہوں نے کہا "تمہارا انڈیلٹھ بے بنیاد نہیں ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ بے وفاترک میرے خون کے پیاسے ہیں۔ اور میرے قتل کرنے کی تاک میں ہیں۔ مگر میں ایسی احتیاط سے رہتا ہوں اور اس کام میں نے پورا بندوبست کر لیا ہے کہ مجھ پر حملہ کرنے کا ان کو کبھی موقع نہ ملے گا۔"

اس کے بعد جو میں نے غور کیا تو نظر آ گیا کہ واقعی سردار ان ترک کی بجز دربار کے خواب گاہوں اور خلوت سراؤں تک مطلق رسائی نہ تھی۔ اور وہ شب و روز اس فکر میں رہا کرتے تھے کہ کوئی موقع ملے تو اس خلیفہ کا خاتمہ کر دیں جس کو ہم پر بھروسہ نہیں ہے۔ اسی اثناء میں ایک دن بھائی منتصر نے جشن منانے کا ارادہ کیا۔ اس ضرورت کے لیے ایک خاص قصر آراستہ کیا گیا اور اس کی رونق بڑھانے میں اس قدر اہتمام تھا کہ مجھ کو ساتھ لے کر خود گئے اور اعلیٰ درجہ کے قالین نکلو انکلوا کے بچھوانے لگے اتنے میں ان کو کچھ یاد آیا فوراً داروغہ فراش خانہ کو بلا کے کہا کہ ہمارے کمرے سے ریشمی قالین جو دولت ساسانی کی یادگار ہے نکال لاؤ۔ آج ارادہ ہے کہ اپنی صحبت نشاط میں اسی کو بچھواؤں۔ داروغہ نے تعمیل میں ذرا تامل کیا تو بھائی نے بگڑے کے کہا "تم لوگ ہمیشہ اسی فکر میں رہتے ہو کہ خزانہ

خلافت کی چیزوں کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ مگر میں تمہاری ایسی بے ہودگی کی پروا نہیں کرتا خزانے میں جو کچھ ہے کام میں لانے کے لیے رکھنے کے لیے نہیں ہے۔“

داروغہ: ”امیر المومنین! مگر بہت سی چیزیں تاریخی یادگار ہوتی ہیں اور اس قابل نہیں ہوتیں کہ کام میں لائی جائیں۔ وہ قالین ایسی ہی چیزیں ہیں اور حضور یہ بھی خیال فرمائیں کہ اگرچہ اس میں اعلیٰ درجے کے نقش و نگار اور گل بوٹے بنے ہیں مگر ایسی چیزیں خوش نصیب لوگوں کے کام کی نہیں ہوتیں۔ جس طرح ایک افسردہ دل شخص زندہ دلی کی صحبتوں کو افسردہ کر دیا کرتا ہے ویسے ہی بد بخت لوگوں کی یادگاریں بھی اقبال مندوں کے حق میں منحوس ہوا کرتی ہیں۔“

منتصر: ”بس زیادہ نہ بکوا اور جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو مجھے عورتوں کی طرح بدشگونوں کا وہم نہیں ہے۔“

جب کوئی عذر نہ بنا گیا تو داروغہ اس قالین کو لے آیا۔ جو اتنا بڑا تھا کہ پورے کمرے میں پھیلا کے بچھا دیا گیا۔ اب جو عورت کیا گیا تو نظر آیا کہ اس میں اعلیٰ درجے کے نقش و نگار اور گل بوٹوں کے درمیان ایک جوان خوش رو تاجدار عجم کی بڑی بھاری تصویر بنی ہے۔ جس کے سر پر تاج خسروی۔ جسم میں قبائے شاہی اور بھاری تصویر بنی ہے۔

جس کے سر پر تاج خسروی۔ جسم میں قبائے شاہی اور ان کے نیچے باد رفتار گھوڑا ہے اور تصویر کے نیچے قدیم پہلوی زبان میں کچھ لکھا ہے۔ منتصر کو فکر ہوئی کہ کیا تو ہے۔ اس وقت ایک عجیب موہو کو بلوا کے حکم دیا کہ پڑھو اس میں کیا لکھا ہے۔ موہو نے پڑھا اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور حسرت ناک صورت بنا کے خاموش ہو گیا۔ منتصر نے جب زیادہ اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ امیر المومنین یہ قالین غالباً شیروہ ابن خسرو پر دیز کے بعد کسی تاجدار عجم کے حکم سے بنا ہے۔ اس میں شیروہ کی تصویر بنی ہے اور اس کے نیچے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

”میں شیروہ بن پردیز ہوں۔ میں نے سلطنت کی ہوس میں اپنے باپ کو مار ڈالا مگر چھ مہینے سے زیادہ حکومت کرنا نہ نصیب ہوا۔ اتفاقاً اس وقت منتصر کو تخت نشین ہوئے

چھ مہینوں میں چند روز باقی تھے۔ یہ تحریر پڑھنے کے ساتھ ہی اپنا واقعہ یاد آ گیا کہ میں نے بھی سلطنت کی ہوس میں اپنے باپ کو قتل کیا ہے۔ ایک بیک مشن طرب کا سارا شوق خاک میں مل گیا۔ افسردہ و ملول ہونے کے کوئے میں بیٹھ گئے میں نے بہت تسلی دی مگر کچھ اثر نہ ہوا اور تھوڑی دیر میں بنجار شدید چڑھ آیا۔ اب نہایت بدحواسی و پریشانی کرنے والی چیز کو خزانہ خلافت میں نہ رہنا چاہیے۔“

اسی ضمن میں غالباً اُن کو بھیر خیال آیا کہ ایسا نہ ہو ترک لوگ مجھ کو قتل کر کے میرے بھائی کو تخت پر بٹھادیں۔ پھر دل میں میری طرف سے بدگمانی پیدا ہوئی اور کہا: ”تم اب فوراً مصر چلے جاؤ اور اس قالین کو بھی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ دیکھو اب ایک گھڑی کے لیے مجھی یہاں نہ ٹھہرنا۔ اسی موقع پر میں نے ان سے ابن مبرد کے نام امیر خراج مصر مقرر ہونے کا حکم کھوا لیا۔ اور ان کو کچھ ایسا اضطراب تھا کہ بلا تامل لکھ دیا اور کہا ”بس اسی وقت جاؤ رات کو یہاں نہ ہو۔“

میری تو تمہارے شوق دیدار میں خود ہی یہ تمنا تھی۔ اسی وقت چل کھڑا ہو یہاں آتے ہی والی مصر امیر بن مزاحم کے سامنے وہ فرمان خلافت پیش کر کے ابن مبرد کو امیر خراج مقرر کرایا۔ اور ایک ہی ہفتہ کے اندر خدا نے تمہارے وصل سے شاد کام کیا اب میں شاد کامی و حسرت میں دنیا و مانیہا کو بھولا ہوا تھا کہ آنے کے بعد مجھے اطلاع ملی کہ بھائی منتصر کا مرض بڑھتا ہی گیا۔ بنجار کی شدت کسی طرح کم ہونے کو نہ آئی اور دیر کی شدت سے سر پیٹا جاتا تھا۔ آخر طبیبوں نے فصہ شجوزی کی اور قصر خلافت سے خلافت کے خاص حجام ابن طیفور کے نام جو بڑا ہوشیار جراح تھا۔ اطباہ کا حکم ہوا کہ ”کل صبح کو اکرامیر الموشین کی فصہ کھولو۔“

اس رات کو بھائی منتصر سوتے سوتے ڈرے سہمے اور روتے رہتے چونک پڑے اماں جان نے جو ماتا کے جوش میں سر ہانے بیٹھی سر و بار ہی تھیں پوچھا ”بیٹا روتے کیوں ہو؟ کہا میں نے ابھی ابھی ابا جان کو دیکھا کہ آئے اور کہتے ہیں ”محمد تو نے مجھے قتل کیا تاکہ خلافت ملے۔ مگر خدا کی قسم تم پر ہی روز اس سے بہرہ یاب ہو گا۔“ صبح ہوئی تو ابن طیفور

نے آکے فصد کھولی مگر فصد سے بجائے فاندے کے یکا یک طبیعت بگڑ گئی۔ ہوش و
حواس رخصت ہو گئے۔ اور سخت تشنچ شروع ہو گیا۔ ہونٹ اور ناخن سیاہ ہو گئے۔ اور
صاف معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے زہر دیا ہے۔ آخر کھلا کہ ذلیل و نمک حرام ابن طیفور
نے ترک سرداروں سے ایک ہزار اشرفیاں لے کر زہر آلود نشتر سے فصد کھولی جس کا زہر
دم بھر میں سارے جسم کے اندر دوڑ گیا۔ اور آخر چھ ہی مہینے میں سریر خلافت منسفر
سے خالی ہو گیا۔

اب خلیفہ گر سرداران ترک کو اندیشہ ہوا کہ متوکل کی نسل میں سے کوئی شاہزادہ تخت
خلافت پر بٹھایا گیا تو وہ اپنے باپ اور بھائیوں کے خون کا انتقام لینے پر آمادہ ہو جائے
گا۔ چنانچہ انہوں نے متوکل اور منتصر دونوں کی اولاد کو مجروح کر کے معتصم باللہ کے ایک
بیٹے احمد ابوالعباس کے سر پر دستار خلافت رکھی اور اس نے المستعین باللہ کا لقب اختیار
کر کے حکمرانی شروع کی۔ اور وہی اس وقت امام زمانہ دو ازد ہم آل عباس مانا جاتا ہے۔ لیکن
وہ نقطہ نام کے لیے خلیفہ ہے۔ عنان حکومت سرداران لشکر اور غلامان ترک کے سرغناؤں
باغ اور وصیف کے ہاتھ میں ہے۔ وہ دونوں المستعین کے نام سے جو چاہتے ہیں کرتے
ہیں۔ خزانے اور رعایا کو لوٹتے ہیں اور جو احکام چاہتے ہیں جاری کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اسی وہم اور دھوکے سے جوان کو متوکل کی اولاد سے ہے۔ نام حکم جاری کر دیا ہے
کہ متوکل اور منتصر کی نسل سے دنیا خالی کر دی جائے جو خلیفہ زادہ جہاں ملتا ہے قتل کر ڈالا جاتا
ہے۔ آج کل بغداد میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی زبان پر یہ اشعار جاری ہیں۔

خَلِيفَةُ فِي قَفْسٍ بَيْنَ وَصِيْفٍ وَبَغَا !
يَقُوْلُ مَا قَالَ لَهُ كَمَا تَقُوْلُ الْبَغَا

خلیفہ ایک پتھرے میں بند وصیف اور بغا کے درمیان رکھا ہوا ہے۔

جو بولیاں سکھا دیتے ہیں وہ ہی بولتا ہے جیسے کہ طوطا . . . !

اس میں شک نہیں کہ امیر المومنین المستعین نہایت دانا و عاقل اور ذی علم و فنسلی ہیں۔

اور تازہ بخ ایام سے باہر سب سمجھتے ہیں مگر ترکوں پر کوئی زور نہیں چلتا۔ اور جو منظام

ان کے ہاتھ سے کرائے جا رہے ہیں ان کو وہ نہایت ناگواری کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں کوئی تعجب نہیں اگر میرے قتل ہونے کا بھی حکم جاری ہو مگر تم کو اس پر پریشان نہ ہونا چاہیے۔ یہاں مصر میں کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا اور تم نے دیکھ لیا کہ اس کو رنمک غلام نے ایسی جرأت کی بھی تو اس کو کیا سزا ملی۔

جولیاننا: "یہ تو صحیح ہے مگر ایسا نہ ہو کہ ابن طولون کے نام بھی وہاں پہنچے تمہارے خلاف حکم آجائے۔"

منصور: "اول تو ابن طولون نیک نفس آدمی ہیں وہ ایسے ظالمانہ احکام کی ہرگز تعمیل نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے بھی ہم سے بے وفائی کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ فسطاط کی رعایا ان کے ساتھ بھی یہی کرے گی جو ابن مبرد کے ساتھ ہوا۔"

جولیاننا: "یقین ہے کہ عنقریب خارویہ اپنے وعدے کے مطابق پھر ملنے کو آئیں گے۔ اس وقت میں ان سے اس کا ذکر کروں گی۔"

منصور: "خارویہ ابھی بچے ہیں۔ ان کی باتوں کا کیا اعتبار میں خود ابن طولون سے مل کے اس کا تذکرہ کروں گا۔"

جولیاننا: "اس سے اچھا یہ ہو گا کہ ہم ابن طولون کی دعوت کر دیں۔ اور دونوں باپ بیٹوں کو بلائیں۔ دیکھئے وہ کس طرح ملتے ہیں۔ اور کیا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ اسی دعوت میں موقع نکال کے اس کا ذکر چھیڑا جائے۔"

اس تجویز کو منصور نے پسند کیا اور دوسری صبح کو ایک گرجستانی غلام کے ہاتھ ابن طولون اور اس کے فرزند خارویہ کے نام دعوت کے رقعے بھیج دیے گئے۔

ہہاگم پرست ولی عہد

نہر فسطاط سے دو میل کے فاصلے پر دریائے نیل کے مشرقی کنارے ایک وسیع و پُر فضا باغ ہے۔ بہار کا موسم ہے اور دن کا ابتدائی حصہ پھولوں کے تنختے ہر طرف لہلہا رہے ہیں اور خوشبودار پھولوں نے سارے باغ کو مہکا دیا۔ یہ باغ رعایا میں کسی کا نہیں بلکہ سلطنت کی جائداد ہے۔ کہتے ہیں کہ عبدالعزیز بن مروان نے اپنے ولایت مصر کے زمانے میں اپنی تفریح اور دلچسپی کے شوق میں اس کو بنوایا تھا جب سے معمول ہو گیا ہے کہ جو والی ملک آتا ہے اگر چہ اس کا قیام خاص فسطاط کے اندر قصر شمع میں ہوتا ہے۔ مگر سیر و تفریح اور دلچسپیوں کے لیے اس باغ کو خوب پُر رونق پر رکھتا ہے۔ مگر فی الحال اس کی آراستگی دسربندی کی بے انتہا کوشش کی گئی ہے کوہ معظم کا سارا میدان اس میں شامل کر لیا گیا ہے اور بڑے اہتمام سے جنت کا خط بنا دیا گیا ہے۔ اور اس کے گرد کا میدان مرغزار مینوسواد ہو رہا ہے۔

اسی باغ میں دریا کنارے ایک عالیشان قصر بھی بنا ہوا ہے جس کے بند صحن سے دریائے نیل کی روانی کی خوب سیر ہو سکتی ہے۔ اور قصر کا ہر کمرہ یاد یوان خانہ زرین و مرجع نقش و نگار سے خوب آراستہ کر کے دلہن بنا دیا گیا ہے۔ دنیا بھر کا سامان زینت و عیش یہاں جمع کر دیا گیا ہے۔ اور روز بروز اس کی دل کشی و زہت کو بڑی ترقی سے ترقی دی جا رہی ہے۔

قصر کے سامنے ایک چمن میں جس میں ہر جگہ رنگ رنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں پھولوں کے درمیان میں ایک عجیب و غریب حوض بنا دیا گیا ہے۔ جیسا شاید دنیا میں کہیں

نظر آئے گا۔ یہ حوض میں گزلبا اور میں گز چوڑا اور دو گز گہرا ہے۔ چاروں طرف کناروں پر چار چار گز تک سنگ رخام کی سلوں پر بنی پتھر چڑھا دیے گئے ہیں جن کی وجہ سے پورا حوض سونے کا ڈلا معلوم ہوتا ہے جس پر آفتاب کی شعاعیں تڑپ کر ایسے چمکتی ہیں کہ دیکھنے والوں کی نظر نہیں ٹھہر سکتی۔ کنارے کنارے ان پتیل کے پتروں میں برنجی کڑے لگے ہوئے ہیں۔

اس طلائی حوض میں پانی کے عوض پارہ بھر دیا گیا ہے اور آفتاب کی گرمی سے اس چاندی کے دریا میں ایسا پر لطف موج پیدا ہوتا ہے کہ انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے اس کے بیچ میں پارے کے اوپر زرد چمڑے کی ایک توشک پڑی ہوئی ہے جس میں ہوا بھر دی گئی ہے جو کشتی کی طرح اس چاندی کے دریا میں تیرتی رہتی ہے توشک میں چاروں طرف سونے کی کڑیاں لگی ہیں جن میں باریک باریک خوبصورت طلائی زنجیریں ڈال کے حوض کے کنارے واے برنجی کڑوں سے وابستہ کر دی گئی ہیں۔ اور ان کی وجہ سے توشک اگر چہ پارے کے طلاطم سے ڈمکاتی رہتی ہے مگر اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتی۔

اس توشک پر ابن طولان کا جواں سال و عیش پرست بیٹا خارویہ ہوائی تیکے پر سر رکھے لیٹا ہے۔ اور حوض کے کنارے کی برنجی زمین پر ایک شیر بہر خارویہ کی طرف منہ کیے بیٹھا ہے۔ جو خارویہ کا ایسا مطیع و متقاد ہے کہ اشاروں پر چلتا اور جو حکم دیا جائے اس کو فوراً بجالاتا ہے۔ نوجوان امیر زادہ اسی سے باتیں کر رہا ہے اور وہ غرانے کی ایسی رسی آویں نکالتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس کی باتوں کو سمجھنا اور محبت سے جواب دیتا ہے۔ اس شیر کے گلے میں سونے کی ہیکل ہے اور اس کے سر پر دونوں کانوں کے درمیان ایک فائل وضع کا تاج نما طلائی مرصع زیور ہے جس کو خارویہ نے اپنی طبیعت سے ایجاد کیا ہے۔

اتنے میں شیر ایک طرف دیکھنے کے اٹھ کھڑا ہوا اور غراتا ہوا جھپٹا۔ خارویہ بہت روکتا اور "زریق زریق" کہہ کے پکارتا رہا۔ مگر شیر نے مطلق سماعت نہ کی اور تھوڑی دیر کے بعد آیا تو اس کے پیچھے میں ایک مرا ہوا زہر پلا سانپ تھا۔ جس کو اس نے حوض کے کنارے ڈال دیا۔ اب خارویہ کو معلوم ہوا کہ یہ سانپ حوض کی طرف آ رہا تھا۔ شیر نے میری ہی جان

بچانے کے خیال سے اس کو جا کے مار ڈالا اور اٹھا لایا ہے کہ مجھے اپنی خیر خواہی کا ثبوت دے۔ چنانچہ خارویہ نے چمکار کے اسے بٹھایا اور پکار کے کہا "ہنا" (یہاں آؤ) فوراً ایک حبشی غلام آیا اور سلتے ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا۔

خارویہ: "دیکھو زریق نے ابھی سانپ کو مارا ہے۔ اس کو لے جا کے کہیں دور پھینک آؤ اور تھوڑا سا پلاؤ لاکے اس کے سامنے رکھ دو۔" غلام سانپ کو اٹھا کے چلا گیا اور خارویہ نے شیر کی طرف دیکھ کے کہا "زریق۔ بس دنیا میں کیسا تو ہی میرا سچا انیس اور میری جان کا محافظ ہے۔ کسی نے میری طرف بڑی نگاہ سے دیکھا اور تو اس پر جھپٹ پڑا۔ میں سوتا ہوں تو تو پلنگ کے پاس بیٹھ کے میری حفاظت کرتا ہے۔ کاش آدمیوں میں بھی ایسے وفادار ملتے ہیں۔ والد نہیں پسند کرتے کہ تو شب و روز میرے ساتھ رہے۔ افسوس انہیں تیری وفاداری کا ایسا تجربہ نہیں ہے جیسا کہ مجھ کو ہے۔"

یہ باتیں سنتے سنتے زریق نے کان کھڑے کئے۔ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک طرف دیکھ کے غرایا۔ خارویہ نے اس طرف دیکھا تو ایک خوش رو لوز جوان نظر آیا جو باریابی کی اجازت چاہتا تھا۔ فوراً شیر کو چمکار کے بٹھایا اور اس شخص سے پکار کے کہا "جمیل آؤ۔ اس وقت تمہیں سے ملنے اور باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا۔" جمیل کانپتا اور ڈرتا ہوا آیا۔ بعد اجازت حوض کے کنارے بیٹھ گیا اور ہنس کر کہنے لگا۔ بیشک حضور کی شوکت و عدالت شیر اور بکری کو ایک گھاٹ سے پانی پلاتی ہے۔"

خارویہ: (خوش ہو کر) تم نے بات خوب پیدا کی۔ مگر میں نے تو اپنی جان کی حفاظت کے لیے زریق کو دوست بنایا ہے۔ دسترخوان پر بھی اسی کو اپنے ساتھ کھداتا ہوں۔ ہر چیز پہلے اسے کھد لیتا ہوں پیچھے خود کھاتا ہوں۔"

جمیل: "مگر حضور ہم لوگوں کی خیریت نہیں نظر آتی۔ کسی نہ کسی دن اس کے شکار ہوں گے۔"

خارویہ: "ہنسی۔ میرا زریق ایسا بدتمیز نہیں ہے۔ یہ میرے سب دوستوں کا دوست ہے اب تم اس وقت اٹھ کر اسے مارو اور کان پڑو۔ دم پڑ کے کھینچو چکیاں لو۔ کچھ کرو نہ"

بوسے گا۔ ہاں جب میں سوتا ہوں اس وقت البتہ کسی کو میرے پتنگ کے پاس نہیں آنے دیتا۔“

جمیل: ”کیا اگر حضور کسی آدمی کو ایسا ہی عزیز رکھیں تو وہ جان نثار و فادار نہ ہو جائے گا؟“
 خارویہ: ”مجھے انسان کا اعتبار نہیں۔ میں نے تمام قوموں کی تاریخ پڑھی ہے اور اکثر نظر آیا کہ وہی لوگ جو جان نثار دوست اور خاص اپنے ساختہ و پرواختہ تھے ذرا سے لالچ میں دشمن سے مل گئے۔ اور موقع پا کے آقا کا کام تمام کر دیا۔ خلفائے بعدا کو نہیں دیکھتے کہ اپنے ہی ساختہ و پرواختہ اور اپنے مور و عنایت لوگوں کے ہاتھ سے قتل ہو رہے ہیں کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ شیر بھی کسی سے سازش کر کے میرے خون کا پیا سا ہو جائے گا؟“

جمیل: ”حضور کا فرمانا سبجا ہے۔ یہ کسی سے سازش نہ کرے گا مگر خود اس کی بہیمیت خطرے سے خالی نہیں۔“

خارویہ: ”اس کی بہیمیت سے میں نہیں ڈرتا۔ چاہوں اس کی بوٹیاں کاٹ ڈالو مجھ پر غصہ نہ کرے گا۔ زریق سے مجھے بے وقافی کا ہرگز اندیشہ نہیں ہے۔“

جمیل: ”تو پھر ہم بھی اس کا اعتبار کرنے پر مجبور ہیں۔ مگر اس وقت تو میں حضور کو پہلے پہل

اس چاندی کے حوض میں رونق افروز ہونے پر مبارکباد دیتا ہوں اسی لیے حاضر ہوا ہوں شوق تھا کہ اپنے آقا کو اس دریا سے لہر میں جہاز رانی کرتے آنکھوں سے دیکھ لوں۔“

خارویہ: ”ہاں آج ہی یہ حوض پارے سے طلب کیا گیا۔ اور واقعی حکیم صاحب کے کہنے کے مطابق مجھے اس میں بڑا آرام ملا۔“

جمیل: ”حضور نے فرمایا تھا کہ کسی کے پاؤں دبانے کو برداشت نہیں کر سکتے اور اتنی تاب نہیں ہے کہ کسی کا ہاتھ جسم مبارک میں لگے۔“

خارویہ: ”اجی اصل واقعہ مجھ سے سو۔ چند روز سے ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ مجھے رات رات بھر جاگتے گزر گئی اور کسی پہلو پر قرار نہیں آتا۔ والد نے سبب

پوچھا تو کیا کہتا۔ یہی ظاہر کیا کہ دماغ میں خشکی بڑھ گئی ہے۔ انہوں نے حکیم صاحب کو بلا کے دکھایا۔ حکیم صاحب نے چند نسخے تجویز کئے اور کہا کہ میں سوتے وقت لیٹ کر پاؤں دیوایا کروں۔ اس کو میں گورا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ مرد ہو یا عورت مجھے کسی پر بھروسہ نہیں۔ اسی وجہ سے میں نے زریق کے علاوہ سو کے قریب شیر اور چتے رکھے ہیں۔ میں نے اپنی بیویوں اور حرموں تک سے ملنے کا یہ معمول رکھا ہے کہ کہ بیداری میں ان سے مل لیا کرتا ہوں۔ سوتے وقت کسی کو پینگ کے پاس نہیں آنے دیتا۔ اپنا یہ اندیشہ حکیم صاحب پر ظاہر کرتا تو وہ اور ان سے سن کر والد اور تمام لوگ مڑی بناتے اور جنوں کا علاج ہونے لگتا۔ ان باتوں سے بچنے کے لیے میں نے حکیم صاحب سے کہا کہ میں اس کا عادی نہیں کہ کوئی میرے پنڈے میں ہاتھ لگائے میں کسی کے ہاتھ کی تاب نہیں لاسکتا۔ انہوں نے اس حوض کی ترکیب بتائی کہ اس کی لہریں دنگ کا کام دیں گی۔ والد نے فوراً اس حوض کے بنوانے کا حکم دے دیا۔ اور واقعی میں آج پہلے پہل اس میں آکے لیٹا تو بڑا

لطف آیا۔

جمیل: "مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ حضور کی نیند کیوں اڑ گئی؟"

خارویہ: "آہ! اس کو نہ پوچھو۔ اس راز کو کاش میں اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا اور

کسی پر ظاہر نہ کرتا۔ مگر افسوس بے کہے بھی نہیں رہا جاتا۔ تم سن لو لوگوں میں مشہور کر دو گے اور نئی آفت اٹھ کھڑی ہوگی!"

جمیل: "حضور کا راز میں فاش کروں! اگر حضور کو اتنا ہی میرا اعتبار نہیں تو پھر میرا جینا ہی بیکار ہے!"

خارویہ: "میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے تمہارا اعتبار نہیں۔ مگر وہ بات ایسی ہے کہ اس کو زبان تک

لا تے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جب سے میں نے عزیزہ مہر شہزادی

جو یانا کی صورت دیکھی ہے بھوک پیاس نیند سب اڑ گئی۔ نہ کسی حال پر قرار آتا ہے اور

نہ کسی کام میں دل لگتا ہے۔ اور کیا عجب کہ مجھے جو وحشی درندوں۔ سے علی العموم انس

ہے اور زریق کے سوا کسی کی صحبت نہیں پسند آتی یہ مجھوں عامری کی وہ عاشقانہ سنت

قدیم ہو کہ وحشیان صحرا کے سوا انسانوں سے کم ملتا تھا۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ شہزادی ایک عباسی خلیفہ زادے کی دلہن ہے اس سے تعلق پیدا کرنے کا خیال بھی دل میں لانا نہ سکتے محضہ کے حکم میں ہے۔ آہ! واں لڑی آنکھ جہاں اپنا گزارا ہی نہیں۔ پہلے پہلے جب ابن ببرد کی گرفتاری کے دن وہ اس قید خانے سے بیہوش اٹھا کے لائی گئی ہے۔ اُس کی پریشان زلفیں بیمار ترگی آنکھیں۔ گلاب کی پتھریوں کے سے ہونٹ اور بے خودی کی ادائیں دیکھ کے میں مہوت رہ گیا مجھے ایسا نظر آیا کہ زلیخا اور شیریں کے عدیم المثال تاریخی حسن اس کے پیارے کھڑے میں بھر دیے گئے ہیں۔ پھر جب وہ ہوش میں آئے لگی تو پہلے اس کی نیم خواب آنکھیں دیکھیں۔ اور جب میں اس کے گھر پہنچا کے اُس سے رخصت ہوا تو دیکھا کہ اُنہیں آنکھوں سے مسلسل غمزدوں اور کشتوں کے تیر چل رہے ہیں جن میں سے ایک بھی نہ تھا جس نے میرے دل کو خطا کیا ہو۔ آہ سب اس زخمی دل میں پیوست ہیں۔ اور جب وہ پیادی صورت یاد آتی ہے کھٹکنے لگتے ہیں۔

الغرض جمیل میں فقط دیکھنے کو زندہ ہوں ورنہ اصل میں مجھے زندہ نہ سمجھو میں جو یانا کی زنگس قاتل کا کشتہ ہوں۔ دوسرے دن اسی ماہوش نازنین نے مجھے اور والد کو دعوت میں بلایا۔ والد سے اُس سے اور اس کے شوہر منصور سے باتیں ہو رہی تھیں۔ اور میں بیٹھا اس کی ہر ہر ادا کو دیکھتا اور دل ہی دل میں تڑپ رہا تھا۔ والد سے جو یانا اور منصور نے اپنے متعلق پوچھا اور درخواست کی کہ بغداد کے سرکش و طاغی سرداران ترک کے مقابلے میں وہ ان کو اپنی امان میں لے لیں۔ اور والد پر بھی جو یانا کے جمال کا اس قدر اثر پڑا تھا کہ اس نے جو درخواست کی قبول کر لی۔ اور جو کچھ وہ کہتی گئی وہ اسکو مانتے چلے گئے۔ چنانچہ اب والد اس کے حال پر اس درجہ مہربان ہیں اور اس کی باتوں میں اس قدر آگے ہیں کہ خلافت کی مخالفت کرنے تک کو آمادہ ہیں۔ ان کی اس جذبہ داری نے مجھے بالکل مایوس کر دیا۔ وہ اپنے اصول پر اس قدر مستقل ہیں کہ اب اگر میں منصور کے خلاف کوئی لفظ بھی زبان سے نکالوں تو محبت پردی کو الگ رکھ کے میرے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ میں اُس نازنین اور اس کے شوہر سے بارہا ملا اور اب میں نے مجبور

ہو کے ملنا بھی چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ ڈر لگتا ہے زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکل جائے جو میرے رزق عشق کو آشکارا کر دے۔ اور پھر اس قابل بھی نہ ہوں کہ اُس کی صورت دیکھنے کو جاؤں۔“

جمیل: (تعجب سے) ”حضور نے بڑا ضبط کیا کہ آج تک اس راز کو زبان پر نہ لائے لیکن اگر مجھ سے فرمایا ہوتا تو میں کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکالتا۔“

خارویہ: ”تم کیا صورت نکالتے؟ ایک شوہر والی عورت پر عاشق ہونا کس قدر شرمناک ہے؟ میں کس زبان سے کہتا ہوں اور کہتا بھی تو لوگ سُن کر مجھے کس قدر بُرا سمجھنے لگتے؟“

جمیل: مگر انسان تحمل اور ہوشیاری سے کام لے تو ہر قسم کی دشواریوں پر غالب آجاتا ہے اگر غور کیا جاتا تو ہم سے جان نثار جو حضور کی فیاضی و عنایت پر حجاز رہے ہیں کوئی نہ کوئی بات پیدا ہی کر لیتے۔“

خارویہ: ”کوئی جائز صورت تو میرے خیال میں نہیں آتی۔ یہ اور بات ہے کہ ایک جرم و گناہ کے لیے اور گناہ بھی گوارا کر لیتے ہیں۔“

جمیل: اوہ جس طرح ہر مشکل دور ہو سکتی ہے اسی طرح ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ خیر یہ تو فرمائیے کہ ابن مبرد کا کیا حشر ہوا؟“

خارویہ: ”وہ اب تک شہر والوں کے پاس اسیر ہے۔ والد نے منصور اور جو لیا نا کے خوش کرنے کے لیے زور و شور سے اُس کے خلاف لکھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے دربار خلافت میں اُس کی طرف دار بھی موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے اس کو سزا دینے کی اجازت نہیں ملتی۔ بلکہ حکم آیا ہے کہ وہ چھوڑ دیا جائے۔ مگر والد جو لیا نا کی طرف داری میں بغداد کے حکموں کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اور کیا عجب کہ فسطاط کی رعایا کو اشارہ کر دیا جائے کہ اندر اندر اُس کا کام تمام کر دیں۔“

جمیل: ”تو اس کو جس طرح ہے بچانا چاہیے۔ اگر اس کو آزادی مل گئی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی تمنا پوری ہو جائے گی۔“

خارویہ: ”یہ کیسے؟“

جمیل: "وہ اسی عباسی شہزادے منصور اور اس کی بیوی جو یاناکا جانی دشمن ہے۔ اُس نے پہلے ہی تجویز کیا تھا کہ منصور کو گرفتار کر کے بغداد بھیج دے جہاں وہ فوراً مار ڈالا جائے گا۔ اور جو یاناکا کو آپ کے والدین طولون کی نذر کر دے۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی اور آپ کے والد کے مخالفت ہو جانے سے وہ بالکل بے بس ہو گیا۔ اگر کسی کوشش سے وہ تھوڑا دیا جائے تو یقیناً ایسی کارروائی کرے گا کہ آپ کی آرزو بغیر کوشش کے پوری ہو جائے گی۔"

خارویہ: "مگر والد سے تو میں اس کی طرف داری میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

جمیل: "اس کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ ایک زبردست والی امیر کے فرزند ہیں۔ آپ کا ادنیٰ اشارہ کافی ہوگا۔"

خارویہ: "تو میں کیا اشارہ کروں؟ اور کس سے کہوں؟"

جمیل: "اگر حضور اجازت دیں تو میں جا کے یہاں کے کو تو ال ابن الدغثہ سے ملوں وہ بنظاہر بہت سیدھا آدمی ہے اور شہر کے حالات اور شہر والوں کے حرکات سے بخوبی واقف ہے۔ میں اسے آپ کا طرف دار بنا لوں گا۔ اور وہ سب کام کرے گا۔"

خارویہ: "اور اگر اس نے والد سے جا کے پوچھا اور کہہ دیا کہ میں ایسا چاہتا ہوں تو کیا ہوگا؟"

جمیل: "میں اس کا بھی اطمینان کروں گا۔ اس سے وعدہ لے لوں گا کہ اس کارروائی کو حضور امیر مصر ابن طولون پہ نہ ظاہر کرے۔ اور تو اس کے خیال میں یہ بات ضرور ہوگی کہ جس امر کو آپ چاہیں اُس میں آپ کے والد خلافت بھی ہوں تو آخر میں طرف دار بن کر رہیں گے تاکہ آپ خوش رہیں۔"

علاوہ بریں اس کا بھی تھوڑا اثر نہ ہوگا کہ آپ ہی دلی عہد سلطنت ہیں اور ایک دن آپ ہی سے سابقہ پڑنے والا ہے۔"

خارویہ: "جمیل تم میرے دل کو خوش کر رہے ہو۔ اور بے شک یاس کی گہری تاریکی"

میں تم نے ایک شمع روشن کر دی ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ عشق نے میری عقل ٹھکانے نہیں رکھی۔ فی الحال مجھ میں نیک و بد کے پہچاننے کا امتیاز نہیں ہے۔ تمہاری باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر ان پر دل نہیں جتا۔ خیر جاؤ اور جو مناسب جانو کرو مگر یاد رکھو اگر تمہاری کوشش سے جو لیانا مل گئی تو تمہارا غلام ہو جاؤں گا۔“

جمیل: ”اپنے غلاموں کو اتنا بڑھائیے۔ میں جاتا ہوں اسی وقت سے کارروائی شروع کر دوں گا۔ اور کوشش کروں گا کہ جہاں تک بنے آپ کا نام درمیان میں نہ آئے۔“

یہ کہہ کے جمیل بن سان آداب سجلا کے چلا گیا۔ اور اس کے جانے کے بعد فاروق نے شیر کی طرف دیکھ کے کہا: ”میرے رازدار دوست اور میرے محافظ ہریان! میں تجھ سے اپنے سب راز کہہ دیا کرتا ہوں۔ جمیل چالاک آدمی ہے۔ مجھے جیسے کسی پر بھروسہ نہیں ہے اُس پر بھی نہیں۔ خدا جانے وہ کیا کیا مصیبتیں اٹھائے گا کھڑی کر دیگا وہ منصور اور جو لیانا کے خلاف کوشش کرنے کو گیا ہے جن کی رعایا نے فسطاط عاشق ہے۔ ابن مبرد نے ان سے دشمنی کر کے کیا پھل پایا جو یہ پائے گا۔ انجام یہی ہوتا ہے کہ یہ شہزادوں کے ہاتھ سے ذلیل ہو یا مارا جائے۔ اور خرابی یہ ہے کہ اُس پر جو لوگوں کا زخم ہو گا اس کا اثر مجھ تک پہنچے گا اُس وقت اسے زریق تو ہی میرا بچانے والا ہے۔“

جہاں پر غلاموں کا مسلح گروہ اور بہادروں کا لشکر کام نہ آئے تو وہاں تو کام آئے گا۔ اس کے جواب میں شیر اظہار محبت میں غرانے کی ہیب آوازیں نکالنے لگا اور فاروق یہ اسی تالین کے اوپر جسے متلاطم پارہ جھلارہا تھا۔ ہوائی تیکے پر سر رکھ کے سو گیا۔“

خونک سازش

جمیل فارویہ سے رخصت ہو کے گیا تو یہاں ابن الدغنے کے دروازے پر تھا۔ دروازے پر چند حبشی غلاموں کا پہرہ تھا جن سے معلوم ہوا کہ کو تو ال صاحب حسب معمول بہر کی گشت کو گئے ہیں۔ مگر اب اتے ہی ہوں گے۔ اس لیے کہ دوپہر کا وقت آ گیا جبکہ وہ ہمیشہ واپس آ جا یا کرتے ہیں۔ جمیل ڈیوڑھی کی ایک صحنی میں بیٹھ کے انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ابن دغنے جو ایک کشیدہ قامت شامی عرب تھا پچاس حبشی غلاموں کے ساتھ جن کے ہاتھوں میں چوڑے چوڑے سیفے تھے آگیا۔ گھوڑے سے اتر کے اندر جانے لگا۔ ڈیوڑھی میں جمیل کی صورت دیکھی تو ٹھہر گیا اور پوچھا "آپ کون ہیں؟" جمیل: "میں امیر ابن طولون کے بڑے فرزند فارویہ کا رفیق خاص جمیل بن سان ہوں اور آپ کے پاس ان کا بھیجا ہوا ہوں۔"

یہ سنتے ہی ابن دغنے کی صورت و وضع میں ایک فوری تغیر پیدا ہوا۔ یا تو حکومت اور ہمدہ داری کی نخوت، پولیس کی افسری کی رعوت و درشتی تھی یا حد سے زیادہ تواضع اور فروتنی پیدا ہو گئی۔ نہایت محبت و خلوص کے ساتھ اُس سے ہاتھ ملایا۔ ذوق و شوق سے لبیک و مرجا کہی۔ اور کہا: "میں امیر زادہ بلند اقبال کا شکر گزار ہوں کہ مجھے یاد فرمایا کیا کوئی خاص حکم ہے؟"

جمیل: "جی نہیں۔ اگر کوئی حکم ہوتا تو آپ کو خود امیر سے ملتا۔ امیر کو ان سے ایسی محبت ہے کہ ان کی بات کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ٹالتے۔ فوراً حکم جاری کر دیتے ہیں مگر آج خدا جانے کیا بات تھی کہ مجھے حکم ہوا آپ سے مل لوں۔"

ابن دغنه: "تو آپ نے اور انہوں نے دونوں نے مجھ کو سرفراز کیا۔ آئیے دم بھر تشریف رکھیے اور شربت کے دو ایک جام پی لیجئے۔"
جمیل: "تشریف لے چلتے۔ میں تو اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے دو گھڑی باتیں کروں۔"

اب ابن دغنه جمیل کو اپنے دیوان خانے میں لے گیا۔ بیٹھتے ہی شربت مانگا ایک رومیہ لونڈی صراحی اور جام لے کے آئی۔ اپنے آقا اور جمیل دونوں کو شربت کے دو دو جام پلائے اور چلی گئی۔

ابن دغنه: "کام اس قدر زیادہ ہے کہ گھر پہنچتا ہوں تو بالکل خستہ ہو جاتا ہوں۔ اگر آپ بدتمیزی نہ سمجھیں تو ذرا پاؤں پھیلا لوں۔ سچ یہ ہے کہ اب میں زیادہ محنت کی تاب نہیں ملا سکتا۔"

جمیل: "تو اس میں مضائقہ کیا ہے۔ آپ شوق سے پاؤں پھیلا لیجئے۔"
اجازت پاتے ہی ابن دغنه نے گاؤں تکیہ سے پیٹھ لگا کے دونوں پاؤں پھیلا دیے اور ساتھ ہی دو رومی غلام بیٹھ کے چمی کرنے لگے۔
جمیل: جب سے ابن برد کے گھر کی نگرانی آپ کے سپرد ہوئی ہے کام بہت زیادہ ہو گیا ہے۔"

ابن دغنه: "اس کام سے تو میں عاجز آ گیا۔ کسی طرح فیصلہ ہونے کو اتنا ہی نہیں دربار خلافت سے اس کی رہائی کا حکم آ گیا۔ مگر ہمارے امیر کسی مصلحت سے اس کو نہیں چھوڑے گا۔"
جمیل: "اور چھوڑیں کیسے؟ اس کو اگر چھوڑ دیں تو رعایا میں سے کوئی نہ کوئی آدمی اس کو مار ڈالے گا۔ اس کو قید میں رکھنا دراصل اس کی جان بچانا ہے۔"

ابن دغنه: "یقیناً۔ اگر حضور امیر نے اس کی مدد نہ کی ہوتی تو اسی دن مار ڈالتے اور اب بھی جو بچا ہوا ہے تو انہیں کی بہر بانی سے۔ اگر شہر والوں سے ضمانت نہ لے لی گئی ہوتی تو کب کے اس کا کام تمام کر چکے ہوتے۔"
جمیل: "خدا جانے شہر والوں کو اس سے اس قدر عداوت کیوں ہے؟"

ابن دغنه: اس کے منظام ہی ایسے تھے کہ کوئی اس سے خوش نہ تھا۔ اور اس آخری حرکت نے کہ شاہزادی عزیزہ مصر کو فریب سے بلا کے قید کر لیا لوگوں کا۔ غصہ اور بڑھا دیا۔

جمیل: "لیکن ایسا مجرم ہے تو اس کو قتل کر ڈالنا چاہیے۔"

ابن دغنه: "غالباً ہمارے امیر کا بھی یہی منشا ہے۔ مگر سنتا ہوں دار الخلافت کے وزراء و سردار اور خود امیر المومنین اس کے طرف دار ہیں۔"

جمیل: "مگر امیر وہاں کے اور حکموں کی کب پیدا کرتے ہیں جو اس حکم کا خیال کرتے۔"

ابن دغنه: (جمیل کی صورت کو ذرا غور سے دیکھ کر) "اب حضور امیر کی مصلحتوں کو میں کیا سمجھ سکتا ہوں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں کسی مصلحت ہی سے کرتے ہوں گے۔"

جمیل: (مسکرا کر) غالباً آپ مجھ پر بدگمانی ہو گئی کہ میں آپ کے بعض راز دریافت کرتے کو آیا ہوں اور نفاق کی باتیں کرتا ہوں۔ لیکن میں امیر المومنین اور اپنے امیرزادہ بلند اقبال خاریہ کی حرمت و اقبال کی قسم کھا کے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ سے نہایت خلوص کے ساتھ منا چاہتا ہوں۔ اور دراصل میری طبیعت ہی کچھ ایسی واقع ہوتی ہے کہ ریاکاری سے قطعی نفرت ہے۔ ہمارے امیرزادے کے مزاج کی حالت شاید آپ جانتے ہوں کہ انہیں مرد ہو یا عورت کسی کا اعتبار نہیں۔ اور اس بدگمانی میں یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ وحشی درندوں سے صحبت رہتی ہے کسی انسان سے نہیں ملتے۔ مگر انہیں انسانوں میں اعتبار ہے تو میرا اور محض اسی وجہ سے کہ مجھے صاف باطن اور سچا جانتے ہیں۔"

ابن دغنه: "نہیں مجھے آپ پر مطلق بدگمانی نہیں ہے۔ مگر میرا معمول ہے کہ بجز ان باتوں کے جن سے مجھے تعلق ہے اور کسی امر میں دخل نہیں دیتا۔ مجھ کو اس سے بالکل واسطہ نہیں رہتا ہے کہ امیر المومنین کیا کرتے ہیں اور امیر مصر کی اصل کیا غرض ہے میرا تو اس کو توڑنے نے یہ مذہب کو دیا ہے کہ۔"

اگر شہ روز را گوید شب است این

بیانہ گفت ایک ماہ د پروینہ!

اسی سبب سے کبھی میرا خیال اس طرف گیا ہی نہیں کہ دربار خلافت ابن مبرد کا کیوں طرف دار ہے۔ اور ہمارے امیر کی اس کے بارے میں کیا کوشش ہے۔

جمیل :- "آپ کو نہیں معلوم تو مجھ سے سنیے۔ امیر ابن طولون کو دارا لخلافت کے احکام کی مطلق پروا نہیں۔ وہ مستقل فرماں روا ہے مصر بن گئے ہیں۔ اور امراد و ذرائع خلافت میں اتنا دم نہیں کہ ان کو مغلوب کر کے اپنا مطیع و متقاد بنا لیں۔ اس کو آپ تقدیر کا سچا فیصلہ سمجھیں۔ اور یقین کر لیں کہ اب آپ کو انہیں سے سابقہ رہے گا۔ باقی رہا یہ کہ ہمارے امیر صاحب ابن مبرد کو قتل کی کیوں نرا نہیں دیتے اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اپنی ذات سے اس کو قتل کرنا نہیں چاہتے۔ اسی خیال سے ایک طرف ابن مبرد کو اسی کے دشمنوں کے ہاتھ میں دے کر ان سے اچھی طرح رکھنے کی ضمانت لے لی ہے اور دوسری طرف آپ کو اس کے بال بچوں اور مال و متاع کا محافظ بنا دیا ہے۔ ہمارے امیر اپنے زمانے کے اعلیٰ ترین عقلا میں ہیں۔ ان کی حکمت عملی کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔

ابن مبرد کی حفاظت بھلا اس سے زیادہ مددگی سے اور اس سے زیادہ حیرت ناک طریقے سے کوئی اور بھی کر سکتا کہ خود اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں ہے مگر کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس اس کو بھی سوچیے کہ ان کے گھر بار کی حفاظت آپ سے زیادہ کون کر سکتا ہے۔"

ابن دغنے :- "آپ کا قیاس تو ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔"

جمیل :- "یہ قیاس نہیں۔ میں بے چارہ سیدھا سادھا آدمی ان باتوں کی تہ کو بھلا کیا پہنچ سکتا تھا۔ دراصل یہ وہ باتیں ہیں جو امیر ابن طولون نے اپنے فرزند سے کہیں جن کو ولی عہد بنانے کی وجہ سے تعلیم کے طور پر ہمیشہ اپنی حکمت عملیاں بتا دیا کرتے ہیں۔ ان سے یہ باتیں مجھے معلوم ہو گئیں۔"

ابن دغنے :- "تو سمجھنا چاہیے کہ ابن مبرد بڑا خوش نصیب آدمی ہے۔ میں آج تک اس کو نہایت بد نصیب خیال کر رہا تھا۔"

جمیل :- اور یہ بھی نہ سمجھتے کہ ہمارے امیر دل سے نباسی تھے، منصور کے دوست ہیں۔

ان کو پری جمال عزیزہ مصر کی صورت بھی معلوم ہوئی۔ اس سے ملنے چلتے اور اس کا دل ہاتھ میں لینے کے لیے اس کے شوہر سے بھی مل لیتے ہیں۔

ابن دغنه: ”مجھے اس کا یقین نہیں آتا۔ ایسا ہوتا تو منصور کو گرفتار کر کے بغداد بھیجے جہاں سے فرمان پر فرمان آتے ہیں کہ ان کو گرفتار کر کے بھیجو۔“

جمیل: (ہنس کر) یہی کہتا ہوں کہ آپ نے ہمارے قابل دہر شیار امیر کو ابھی تک نہیں پہچانا اگر شہزادہ منصور کو گرفتار کرتے یا کر دیتے تو ایک طرف فسطاط کی رعایا ان سے ناراض ہو جاتی۔ دوسری طرف خود شہزادی عزیزہ مصر کے دل کو ملال ہوتا۔ اور وہ نہ رعایا کو ناراض کرنا چاہتے ہیں اور نہ شہزادی کا دل دکھانا انہیں منظور ہے۔

ابن دغنه: ”واقعی آپ سچ کہتے ہیں۔ اب مجھے یقین آیا۔“

جمیل: ”مجھے یہ باتیں محض اس وجہ سے معلوم ہو جاتی ہیں کہ امیر زادے صاحب کا ہدم و ہمرانہ ہوں۔ دور نہ کھلا میں خاک سمجھتا۔“

ابن دغنه: ”اب تو مجھے خوراپنے معاملات میں دشواری نظر آتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا طرز عمل اختیار کروں۔“

جمیل: آپ کے لیے کوئی دشواری نہیں۔ اور آپ کہ ان امور سے کیا تعلق۔ آپ کو جو احکام میں اُن پر عمل کرتے رہیں۔ مگر ہاں اتنا کیجئے کہ امیر کے ان مقاصد کو ذہن نشین رکھیے۔

ابن دغنه: ”آخر مجھے کام کرنا ہے۔ یہی ابن میرد کا معاملہ ہے۔ نہیں سمجھ میں آتا کہ کیا کروں۔ امیر کا ظاہری حکم یہ ہے کہ اس کے ساتھ کفنی قسم کی رعایت نہ کی جائے۔ اور اصلی منشا یہ ہے کہ اُس کو کوئی آزار نہ پہنچے۔“

جمیل: ”آپ فقط اتنا کریں کہ ختی الامکان اس کے ساتھ نرمی کریں۔ شہر والوں کو سمجھا، بچھا کے اُس کے موافق بناتے رہیں۔ مگر اس طرح نہیں کہ امیر کے دل میں ذرا بھی شبہ پیدا ہونے پائے کہ آپ ان کی حکمت علی کو سمجھ گئے ہیں۔ وہ بہت ہی گہرے آدمی ہیں۔ ایسے شخص سے بھی دنیا کو خالی کر دیتے ہیں جس کی نسبت گمان ہوتا ہے کہ اُن کے

راز سے واقف ہو گیا۔ اور ایسی خوش تدبیری سے کہ اس کو یا کسی کو ان کی کارروائی کا وہم و گمان بھی نہیں ہونے پاتا۔

ابن دغنے: میں نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ایسی باتوں سے آگاہ کر دیا جن سے واقف ہونے کی بے انتہا ضرورت تھی۔

جمیل: ”انہیں باتوں پر کیا موقوف ہے اگر آپ نے رازداری کی تو میں ہمیشہ ہر معاملے میں آپ کو بتا دیا کروں گا کہ امیر کا اصلی منشا کیا ہے۔ یہ کہہ کے جمیل نے پوچھا، کیا وقت ہو گا؟“

ابن دغنے: ”اب سہ پہر کا وقت ہے۔“

جمیل: ”تو میں رخصت ہوتا ہوں۔ امیر زادے کی خدمت میں حاضر ہونے کا وقت آگیا اور وہ نازک مزاج ایسے واقع ہوئے ہیں کہ ذرا میں ناراض ہو جاتے ہیں۔“

خدا حافظ:

ابن دغنے: رخصت کا مصافحہ کر کے (تو پھر ملنے کا وعدہ کرتے جائیے۔“

جمیل: ”ضرور حاضر ہوں گا۔ اور اب تو میں اکثر متاثر ہوں گا۔ مجھے آپ سے ملنے کا بڑا

شوق تھا۔ اسی لیے اپنے آقا کے ذریعے سے تعارف حاصل کر لیا۔“

ابن دغنے: ”آپ مجھے ہمیشہ اپنا خادم پائیں گے۔ اور امید ہے کہ امیر زادہ بلند اقبال کی خدمت میں میرا سلام عرض کر کے اتنا فرمادیں گے کہ غلام اُن کے حکم بجالانے کو ہمیشہ اپنا فخر اور سرمایہ ناز تصور کرے گا۔“

جمیل: ”وہ انشاء اللہ آپ سے خوش رہیں گے۔ میری ملاقات کا اتنا بھی نتیجہ نہ ہو تو مجھ سے کیا امید ہو سکتی ہے۔“ یہ کہہ کے چلا آیا۔

دوسرے دن جمیل نے فارویہ سے مل کر کوتوال سے ملنے کا حال بیان کیا اور کہا۔ ”آپ کے ہر حکم کو وہ اپنا فخر سمجھ کے بجالائیں گے۔ ان معمولی باتوں کے بعد اس نے ولی ہمدان کو پوری طرح اطمینان دلایا کہ ”عنقریب حضور اپنے عشق میں کامیاب اور اپنی خواہشوں میں باامراد ہوں گے۔“

خارویہ:

نم جس وقت یہ باتیں کرتے ہو میرے تار یک دل میں ایک چراغ سا روشن ہو جاتا ہے۔ مگر تمہارے جانے کے بعد پھر وہی اندھیرا گھپ ہو جاتا ہے اور تمہاری حسرت و اندوہ کے ساتھ اس میں بھٹکنے اور ٹھوکرین کھانے لگتی ہیں۔“

جمیل:

”میں نے تو اپنے دل سے عہد کر لیا ہے کہ جب تک تہنزاوی عزیزہ مصر جو یا نا کو آپ کے پہلو میں لاکے نہ بٹھا دوں گا چین نہ لوں گا۔“

خارویہ:

”مگر کچھ بتاؤ بھی تو یہی کہ تم نے کیا تدبیر اختیار کی ہے اور ابن دغنے سے کیا کیا باتیں ہوئیں۔“

جمیل:

ان باتوں کو اس وقت عرض کروں گا جب خدا نے مجھے آپ کی نظر میں سرخورد کرے گا۔“

خارویہ: اس کا نہیں اختیار ہے مگر ایسا نہ ہو کہ اس کوشش میں تم کوئی فتنہ اٹھا کے کھڑا کر دو۔ یا مجھے والد کی نظر میں ذلیل کرو۔

جمیل: ”حضور اس کا مطلق اندیشہ نہ فرمائیں۔“

اب جمیل اُس سے رخصت ہو کے چلا گیا۔ اور خارویہ اپنے وحشی رفیق زریق کی طرف متوجہ ہو گیا جو سب شیر دن کا سردار تھا۔ اور ہمیشہ پاس رہا کرتا تھا۔

بدمعاشوں کا جتھا

جیل نے دوچار ملاقاتوں میں ابن الدغنه کو اس قدر شیشے میں اتار لیا کہ کٹھپتی کی طرح اس کے ہاتھ میں تھا۔ اور ہمہ تن اس کوشش میں مصروف تھا کہ شہر والوں کو ابن مبرد کا طرف دار بنائے۔ انجام یہ ہوا کہ اہل شہر کی طرف سے سابق حاکم خراج کو سزا دینے کے بارے میں جو اصرار ہو رہا تھا۔ کمزور پڑ گیا۔ شہر کے کئی بڑے سے صاحب اثر تاجر علانیہ اس کے طرف دار ہو گئے اور دولت مند تاجر ابو حوقل و میاطلی جو فسطاط میں ملک التجار کی حیثیت رکھتا تھا اور اسی کے گھر میں ابن مبرد رکھا گیا تھا اور ہمیشہ طوق و سلاسل میں جکڑا ایک کوٹھری کے اندر بند رہا کرتا تھا وہی ابو حوقل اپنے قیدی کے حال پر اس قدر مہربان ہو گیا کہ اس کی زنجیریں کھول دیں۔

ابن دغنه کے ذریعے سے جیل نے ابو الحوقل سے بھی ملاقات پیدا کر لی۔ دوسرے تیسرے روز اس سے ملنے لگا۔ اور آخر ایک روز باتیں کرتے کرتے اس سے کہا "جب آپ ابن مبرد کے حال پر مہربان ہو گئے ہیں اور ان کی زنجیریں کھول دی ہیں تو انہیں اس کا موقع کیوں نہیں دیتے کہ آپ کی صحبت میں آکر بیٹھا کریں۔ سب جانتے ہیں کہ وہ معزز شخص ہے۔ کل تک بڑے رعب و داب کے حاکم تھے۔"

ابو حوقل: "مجھے اس میں کوئی عذر نہیں ہے۔"

جیل: "عذرت ہونا اور بات ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ مصلحت کیا ہے۔ وزیرائے خلافت اور مدینۃ السلام بغداد کے سرداران ترک ابن مبرد سے حال پر اس قدر مہربان ہیں کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روز وہ ہائی حاصل کر کے پھر مصر کے حاکم خراج ہوں گے اور

اُن کو یہ عہد ملا تو ان لوگوں کے ساتھ کوئی دشمنی نہ اٹھا رکھیں گے جنہوں نے اسی مصیبت کے زمانے میں ان پر سختی کی ہوگی۔ میری رائے میں تو یہ ہے کہ آپ انہیں اپنے ہی ساتھ کھانا کھلایا کریں اور ان کو اپنی صحبت میں آنے جانے کی آزادی دیں۔

ابو حوقل: ”آپ کی رائے بے شک مصلحت پر مبنی ہے۔ دیکھئے میں اسی وقت اُن کو بلاتا ہوں یہ کہتے ہی اپنے ایک غلام کو بھیج کر ابن مبرد کو بلا بھیجا اور جیسے ہی وہ آیا ابو حوقل اور جمیل اس کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ دولت مند تاجر نے اس کو جمیل سے بلایا اور کہا: ”آپ جمیل بن سنان امیر زادہ خارجیہ کے مصاحب ہیں۔ اور آپ سے ملنے کے مشتاق تھے۔“

ابن مبرد: ”میں آپ کی محبت و نوازش کا شکر گزار ہوں۔ مگر افسوس اب تو میں اس قابل نہیں کہ کسی کے کچھ کام آؤں۔ تاہم آپ کی جو خدمت ہو یا آپ کا جو حکم ہو اس کو خوشی سے بجالاؤں گا۔ کاش اس وقت ملاقات ہوئی ہوتی جب میں برسر کار تھا۔ اُس وقت آپ ملتے تو دیکھتے کہ میں نے اپنے دوستوں کا کیا خالص و وفادار دوست ہوں۔ اور سچ یہ ہے کہ میں نے ہمیشہ اپنے کم فرماؤں کی غلامی کی ذر نہ میرا یہ حال نہ ہوتا اور اب تو ساری دنیا بھر میں بدنام اور ذلیل و خوار ہوں۔“

جمیل: ”عوام جو چاہیں کہیں مگر میں آپ کو نہیں قوم سمجھتا ہوں۔ امید ہے کہ ایک دن خدا ان مصیبتوں کو دور کر دے گا اور پھر قوم کے معزز و محترم رہیں ہوں گے۔“

ابن مبرد: شاید خدا دن پھر دے۔ مگر ہاں اپنے محافظ ملک التجار کی ہر بانوں سے تو اب میرے دل میں بھی زندگی کی کچھ امید پیدا ہو گئی ہے۔ یا تو ایک بدترین مجرم کی حیثیت سے طوق و سلاسل پہنے کو ٹھہری میں بند پڑا رہتا تھا یا اب یوں کھلے بندوں یہاں تک آنا نصیب ہوا۔ اور اس خوش نصیبی کے ساتھ کہ میری تعظیم کے لیے آپ دونوں حضرات اٹھ کھڑے ہوئے۔“

ابو حوقل: ”بے شک آپ کے ساتھ سختی ہوئی مگر یہ فقط اس وجہ سے تھا کہ عوام کی یورش سے مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے بدگمان نہ ہو جائیں۔ مگر اب کئی معزز لوگ آپ کے طرف دار ہو گئے ہیں۔ اور وہ شورش فرو ہوتی جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے موقعہ

ملا کہ آپ کے ساتھ وہی برتاؤ کروں جس کے آپ مستحق ہیں۔ اور اب انشاء اللہ آپ یہاں ایک قیدی کی حیثیت سے نہیں بلکہ میرے ایک عزیز مہمان کی طرح رہیں گے۔ اور جس چیز کی ضرورت ہو فرما دیجئے فوراً حاضر کر دی جائے گی۔

ابن مبرد: میں چاہتا تھا کہ چند گھڑیوں کے لیے اپنے ویران گھر میں جاتا اور اپنے اہل و عیال سے مل آتا۔

ابو حوئل: ابھی اس کا ارادہ نہ کیجئے۔ آپ اس گھر سے ایک لمحہ کے لیے بھی باہر نکلے تو اندیشہ ہے کہ عوام میں پھر شورش نہ مچ جائے۔

جمیل: "مضائقہ ہو تو مجھے ارشاد ہو۔ جو پیام فرمائیے۔ آپ کے گھر جا کے بتا دوں گا۔"

ابن مبرد: "پہلے تو مجھے فقط اپنے متعلقین کی خیریت معلوم ہونی چاہیے۔"

جمیل: "میں انشاء اللہ کل ہی مفصل حالات دریافت کر لوں گا۔ اور پرسوں آپ سے

مل کے عرض کروں گا۔"

الغرض جمیل نے تھوڑے ہی زمانے ابو حوئل اور ابن مبرد سے تعلقات بڑھا دیئے

ان دونوں کو باہم ایک دوسرے کا دوست بنا دیا۔ اور سب کے بعد یہ کارروائی کہ ابو حوئل

سے اس مضمون کی ایک عرضداشت امیر المومنین خلیفہ بغداد کے نام لکھوائی کہ ابن مبرد

جو بے قصور میرے گھر میں قید رکھا گیا ہے اس کا جلدی کوئی فیصلہ کیا جائے ورنہ میں

مجبور ہو کر اس کو چھوڑ دوں گا تاکہ آستانِ خلافت پر حاضر ہو کے خود ہی اپنے معاملے کا

تصفیہ کرا لے۔ اور اس عرضداشت کو بغیر اس کے کہ والی مصر ابن طولون کو خبر ہو

در بار خلافت میں بھیج دیا۔

اس درخواست کے بھیجنے کے بعد کبھی کبھی جمیل کو اس کا موقع مل جاتا کہ ابن مبرد کی

کوٹھری میں جا کر اس سے ملاقات کرے۔ پچانچہ ایک روز ایسے ہی تنہائی کے موقع پر جمیل نے

ابن مبرد سے ہمدردی دوستی کا اظہار کیا تو اس نے کہا: آپ میرے حال پر نہایت مہربان

ہیں۔ اور افسوس میں اس قابل نہیں کہ ان غایتوں کا کوئی معاوضہ کر سکوں۔ تاہم یہ مہربانیاں لوح

دل پر لکھی ہوئی ہیں۔ ایک دن ان کا معاوضہ کر سکوں تاہم یہ مہربانیاں لوح دل پر لکھی ہوئی ہیں۔ ایک دن ان کا معاوضہ ضرور ہوگا۔ آپ امیرزادہ فاروقیہ کے معاصِب ہیں بھلا ان کے ذریعے سے یہ ممکن ہے کہ ان کے والد ابن طولون امیر مصر کو میرے حال پر مہربان کر دیں؟“

جمیل: ”امیر مصر اس قدر گہرا آدمی ہے کہ اُس کے دل کا حال کسی کو نہیں معلوم ہو سکتا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل وہ کیا کرنے والا ہے۔ مگر میں نے ان کے ولی عہد فاروقیہ کو آپ کے حال پر مہربان بنا دیا ہے۔“

ابن میرد: بے شک وہ مجھ پر مہربان ہیں۔ ان کے خوبصورت بشارتیں چہرے اور ان کے دلکش اخلاق نے مجھے اسی دن ان کا گرویدہ کر دیا تھا جس روز اپنے والد کے ساتھ وہ میرے یہاں آئے تھے اور وہ ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا جس کی بدولت میں قید میں پڑا ہوں میں نے اسی روز ان میں بوجے محبت پائی تھی۔“

جمیل: ”بے شک وہ ایسے دل فریب نوجوان ہیں۔ مگر اب جو وہ آپ کے طرف دار ہو گئے ہیں تو اس کا ایک سبب ہے۔ اور اس کا اصلی باعث میں ہوا ہوں۔ میں ہی نے ان کے اثر سے فائدہ اٹھا کر کوثر ابن الدغنة کو اور ان کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو آپ کا طرف دار بنا دیا۔ اور ابن الدغنة ہی کے کہنے سے ابو حرقل نے آپ کے ساتھ نرمی شروع کی۔ اور پھر میں نے ان سے ملاقات پیدا کر کے انہیں آپ کا دوست بنا دیا۔“

ابن میرد: ”ان مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنا میرے ارکان سے باہر ہے۔ اور اگر ان کا رد واپس میں آپ کا کوئی مقصد ہو تو وہ بھی صاف صاف بیان کر دیجئے۔ تاکہ اس کو پورا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤں۔“

جمیل: ”مگر وعدہ فرمائیے کہ اس کام کو جو امیرزادہ فاروقیہ کا ہے مجھ سے سُن کر آپ نہایت رازداری اور پوری مستعدی سے انجام دیں گے۔“

ابن میرد: ”اس بارے میں آپ کو کیوں کراہتیناں دلاؤں۔ مجھ سے جس کی قسم کہیے۔ کھالوں

جیسی حلفت بتائیے اٹھالوں یا جیسی سحریر آپ چاہتے ہوں آپ کو مکھ دوں“
 جمیل: ”آپ کا زبانی اقرار کر لینا کافی ہے۔ اصل یہ ہے کہ خارویہ عزیزہ مصر شہزادی
 جو یانا کے شمع جمال کے پروانہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کے وصال سے محروم ہونے کے
 باعث انگاروں پر لوٹ رہے ہیں مگر یہ معاملہ ایسا ہے کہ کسی کے سامنے زبان سے
 نہیں نکال سکتے۔ ایک معزز خاندان کی شاہزادی جو ایک عباسی خلیفہ زادے کو بیاہی ہوئی
 ہے اُس کے عشق کا نام بھی زبان سے لیں تو سارے مصر میں تھلکے پڑ جائے۔ ان کی
 بے قراری دے تابی حد سے زیادہ بڑھی۔ میں نے ان کو یقین دلایا کہ دنیا میں یہ کام
 صرف آپ سے ہو سکتا ہے۔ پہلے وہ اس کو نہ مانتے تھے مگر میرے کہنے اور سمجھانے
 سے سمجھ آ گیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے ان کے سامنے جھوٹا نہ کریں گے“
 ابن میرد: ”لباش چہرے سے“ یہ تو ان کی نہیں بلکہ میری ذاتی تمنا ہے۔ شاید انہوں نے
 سنا بھی ہو کہ میرا ارادہ یہی تھا کہ منصور کو گرفتار کر کے بغداد میں سرداران ترک کے حوالے
 کر دوں۔ اسی لیے جو یانا کو دھوکے میں بلا کر اسیر کر لیا تھا مگر افسوس کہ ابن طولون نے
 اس کو پسند نہ کیا“

جمیل: ”مگر اب یقین ہے کہ پسند کریں گے۔ کیونکہ خود ان کے فرزند کی زندگی خطرے میں ہے۔“
 ابن میرد: ”خیر اب مجھے اُن کے پسند کرنے یا نہ کرنے سے تعلق نہیں۔ میں تو امیر زادہ
 خارویہ کی تمنا پوری کر دوں گا۔ اور ان کا مہربان ہونا میرے لیے کافی ہے۔“
 جمیل: ”تو پھر آپ کے نزدیک اس مقصد کو پورا کرنے کی کون سی صورت ہے؟“
 ابن میرد: ”وہی جو پہلے میں سوچ چکا تھا۔ اگر امیر ابن طولون موافق ہو جائے اور کسی طرح
 پھر میری پران خدمت مجھے دلوا دیتے تو میں یہیں بیٹھے بیٹھے اُن کے فرزند کی تمنا پوری
 کر دیتا۔ اور اگر وہ ساتھ نہ دیں تو مجھے اتنا موقع ملنا چاہیے کہ یہاں سے بھاگ کے بغداد
 پہنچ جاؤں پھر کسی کو مدد دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب کام خود ہی کر لوں گا۔“
 جمیل: ”خیر آپ اس خدمت کے انجام دینے کے لیے تیار رہتے کوئی صورت
 پیدا ہو ہی جائے گی۔“

یہ کہہ کے جیل بن سنان اس سے رخصت ہو کے اپنے گھر گیا۔ اور دوسرے ہی روز
 جا کے ابن ببرد سے ملنے کا حال فارویہ سے بیان کر دیا۔ وہ روز روز گاہ الی اپنے آقا سے
 بیان کر دیا کرتا تھا۔ مگر کبھی یہ نہیں بتایا کہ شہزادی کو آپ سے ملائے کی کیا تدبیر اختیار کی
 گئی ہے۔

ابن مبرد چھوٹ کے بھاگا

جیل جس روز ابن مبرد سے ملا ہے اُس کے ایک ہفتہ بعد ایک دن یکا یک شہر فسطاط میں غل ہوا کہ ابن مبرد ابو جوحل کی حراست سے بھاگ گیا۔ رعایا میں ایک فوری جوش پیدا ہوا بہت سے لوگ امیر ابن طولون کے پاس پہنچے اور شکایت کہ اس معاملے کو اتنے دنوں تک ڈال رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بد معاش اور سفلہ مزاج ابن مبرد قید سے نکل بھاگا۔ ابن طولون نے کہا: ”تمہارے اطمینان کے لیے قیدی خود تمہارے حوالے کر دیا گیا تھا اور تم نے جس کے پاس چاہا اُس کو رکھا۔ لہذا اس کے نکل جانے کا الزام ہم پر نہیں خود تم لوگوں پر ہے۔ بلکہ ہم کو حق ہے کہ اُس کو تم سے طلب کریں۔ اور اس غفلت کے جرم میں تم سے جتنا بڑا جرمانہ چاہیں وصول کر لیں۔ باقی رہا یہ کہ اس کے مقدمے کا فیصلہ ہونے میں تاخیر کیوں ہوئی تو اس کا سبب بھی تم جانتے ہو۔ مدینۃ الاسلام بغداد اور دربار خلافت سے حکم پر حکم چلے آتے تھے کہ ابن مبرد چھوڑ کر اپنی قدیم خدمت پر بحال کیا جائے مگر میں نے محض تمہاری دل شکنی کے خیال سے ان حکموں کی تعمیل نہیں کی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ دار الخلافت سے میرے تعلقات اچھے نہیں رہے۔ اب بد قسمتی سے وہ خود تمہاری حراست میں سے نکل گیا تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ اور سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ اب تمہیں میں سے بعض ذی اثر لوگ اس کے طرف دار نظر آتے ہیں۔“

شہر والوں کے پاس اس کا کچھ جواب نہ تھا سب لاجواب و نادام ہو کے واپس گئے۔ مگر ان کو رخصت کیے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ شاہزادی عزیزہ مصر جو لیا نا اپنے شوہر منصور کے ساتھ امیر ابن طولون سے ملنے کو آئی۔ فوراً استقبال کے لیے ابن طولون قصر کے

دروازے پر نکل آیا۔ دونوں کو عزت و حرمت سے اندر لے گیا اور تعظیم و تکریم سے مزاج پرستی کی۔

ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد شہزادی نے کہا "افسوس ابن میرد کو سزا تہ ملی اور عدالت کے نتیجہ غضب سے نکل گیا جو ہمدردی آپ نے پہلے دن میرے ساتھ کی تھی اُس سے مجھے یقین تھا کہ ہمارے اس سرکش و گستاخ غلام کو اب پھر کبھی شرارت کا موقع نہ ملے گا۔"

ابن طولون: پری جمال و صاحب اقبال شہزادی اگرچہ آپ کے نازک اور بھول سے ہونٹوں سے شکایت بجلی معلوم ہوتی ہے۔ تاہم مجھے اس سے تکلیف بھی ہوتی ہے کہ آپ کے دل کو صدمہ پہنچا۔ مگر اس میں میرا مطلق قصور نہیں ہے۔ باب عالی خلافت سے تاکید حکم آرہے تھے کہ ابن میرد قید سے آزاد کر کے پھر اپنی خدمت پر مامور کر دیا جائے۔ میں ایسی صورت میں کیا کر سکتا تھا۔ آپ ہی کے خیال سے میں نے احکام کا مطلق لحاظ نہ کیا تو دس سال تک اس کو قید رکھا۔ آپ کی مروت کا مجھ پر اتنا اثر تھا کہ اس بارے میں آپ کے باعث میں نے خلافت اور وزیرا د امرائے بغداد کو اپنا دشمن بنایا۔ جس کا انجام مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر یاد میری ان کوششوں کے ابن میرد کے بھاگ جانے کا مجھے بڑا افسوس ہے۔"

منصور: "لیکن آپ نے تو ان لوگوں سے ضمانت لے لی تھی جن کی حراست میں ابن میرد رکھا گیا تھا۔ ان لوگوں سے آپ ان کو طلب کر سکتے ہیں۔"

ابن طولون: "بے شک طلب کر سکتا ہوں۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ دولت مند تاجروں، ابوالحوقل و میاطلی نے جو اس کا طرف دار ہو گیا ہے کہ عجب کہ اسی نے جان بوجھ کر اسے بھگا دیا ہو۔ لیکن ان لوگوں کے ساتھ قوت کی بنا پر اگر ذرا بھی سختی کی گئی تو امرائے بغداد اور دربار خلافت سے مجھ سے علانیہ دشمنی ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ میں اس دشمنی کی بھی پروا نہ کروں۔ مگر ابن میرد کا ہاتھ آنا غیر ممکن ہے۔ اس نے چھوٹے ہی عراق کی راہ لی ہوگی اور وہی چار روز میں ان لوگوں کے پاس پہنچ جائے گا جو وہاں اس کی

طرف داری کر رہے تھے "۔
 جولیاننا: "اگر وہاں گیا تو آپ کے دوست منصور کے لیے بہت نازک زمانہ آجائے گا۔"

ابن طولون: "وہ یقیناً آپ دونوں صاحبوں کے خلاف شورش پیدا کرے گا۔ مگر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک میرے دم میں دم ہے وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ آپ میری ضمانت میں ہیں۔ اور خلیفہ بغداد یا وہاں کے سرکش امرائے ترک کی اتنی مجال نہیں کہ مصر میں کوئی کارروائی وغیرہ بغیر میری منظوری کے کر سکیں۔ میں نے بفضہ تعالیٰ اتنی قوت پیدا کر لی ہے کہ دربار بغداد نہ مجھے معزول کر سکتا ہے اور نہ میری مخالفت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔"

منصور: "تو پھر آپ علانیہ علم مخالفت کیوں نہیں بلند کرتے؟"

ابن طولون: "میں اسلامی خلافت کا بظاہر مطیع و منقاد بن کے رہنا چاہتا ہوں مگر اسی اطاعت کے ذریعے سے اپنی حکومت مصر کی بنیاد اتنی مضبوط کر لوں گا کہ ولایت مصر مدتوں تک میرے اور میرے خاندان کے اختیار میں رہے گی۔"

منصور: "غیر تو مجھے آپ کی کفالت و حمایت میں یہاں اطمینان حاصل رہے گا۔ سچ یہ ہے ہم لوگ آج کل سب سے بڑے مظلوم ہیں۔ اور محض چند شرفائے اسلام کی مدد پر جی رہے ہیں۔ ورنہ ترک سردار جن کو ہمارے جدا مسجد معتمد بالٹرنے پرورش کر کے بڑھایا تھا آج انہیں کی نسل کے خون کے پیا سے ہیں۔ اور ان کی بے رحمیوں اور بے اعتدالیوں نے یہ حالت کر دی ہے کہ ہم خود اپنے غلاموں سے آزار پاتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔"

جولیاننا: "بے شک اب ہماری عزت و آبرو آپ ہی کے بچائے سچ سکتی ہے۔"

ابن طولون: "جب تک میں زندہ ہوں۔ آپ کو ان لوگوں سے کوئی ضرر نہ پہنچ سکے گا۔"

اس گفتگو کے بعد جولیاننا اور منصور اظہار اطمینان کر کے والی مصر سے رخصت ہوئے۔

اور اپنے قصر کی راہ لی۔ اور گو کہ منصور کے دل سے تردد نہ گیا تھا مگر اپنی نازک دل بوی کی تسلی کے لیے بظاہر نہایت ہی اطمینان و فارغ البالی سے زندگی بسر کرتا۔ اسی حالت کو تقریباً دوہینے ہو گئے۔ ابن طولون نے ابو جوقل کو بلوا کے کئی بار دھمکیاں اور کہا "اپنی خیریت چاہتے ہو تو ابن میرد کو حاضر کر دو۔ میں ضمانت کی رقم اس لیے وصول نہیں کرتا مجھے روپیہ نہیں خود مجرم درکار ہے جسے تم نے کیفر کو دار کو پہنچنے سے بچا دیا اسی طرح وہ اکثر عزیزہ مصر کے قصر میں دونوں میاں بیویوں کی تسلی و تشفی کرتا۔ مگر ان سب سے مخفی اندر ہی اندر ایک اور سازشی قوت اپنا کام کر رہی ہے جس کے اصلی بانی خاریز اور جمیل بن سنان تھے۔ ابن الدغنے کو تو الی اور ابو جوقل و میاطلی بھی اس میں شریک ہو گئے تھے۔ ابن الدغنے کو یقین تھا کہ والی مصر ابن طولون بھی ہمارے ساتھ ہے۔ مگر ابو جوقل محض جمیل کے بہکانے سے اس امر کا امیدوار تھا کہ اب ابن میرد جب دوبارہ حاکم خراج مقرر ہوگا تو مجھے اس سے بہت نفع حاصل ہوگا۔

انہیں دونوں ایک روز جمیل حسب معمول خاریزہ کے پاس حوض سیاب کے کنارے بیٹھا تھا۔ خاریزہ اس کے اندر جمیل کی طرف منہ کیے ہوئی تو شک پر لیٹا ہوا تھا اور اس کے سر کی طرف حوض کے کنارے اس کا وحشی زریق خاموش سو رہا تھا۔ جمیل نے اپنے آقا کو اطمینان دلایا کہ "اب عنقریب عزیزہ مصر آپ کے حرم میں داخل ہوگی۔ ابن میرد کا چھوٹا جانا آپ کی تمنا پوری ہونے کا مقدمہ ہے جس کا نتیجہ دو ہی چار روز میں نظر آجائے گا۔"

خاریزہ: "مگر میں نہیں سمجھتا کہ ابن میرد سے مجھے کیسے مدد مل سکتی ہے؟"
جمیل: "وہ یہاں سے سیدھا دار لاسلام بغداد گیا ہے۔ اور وہاں کے تمام وزراء و سپہ سالار اس کے پس میں ہے۔"

خاریزہ: "یہ بھی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دربار خلافت کے لوگوں پر اس کا کیوں اثر ہے؟ ایک حبشی غلام کی بغداد کے صاحب اقتدار امر کی نظر میں بھلا کیا وقعت ہو سکتی ہے؟"
جمیل: "حضور نے ابھی تک زمانے کو نہیں پہچانا۔ بغداد میں ان دنوں نہ شرافت کی

قدر ہے اور نہ لیاقت و شجاعت پر بھی جاتی ہے۔ وہاں تو ہر شخص روپیہ کا بھوکا ہے جو شخص کچھ دولت و خزانہ پہنچا دے یا کسی جگہ سے روپیہ کے ملنے کی امید دلا دے کا یہاں بامراد اور اراکین دولت خلافت کا سچا دوست ہے۔ ابن مبرد کو سب جانتے ہیں کہ جابر و ظالم کمینہ اور سفلہ مزاج حبشی غلام ہے۔ مگر اپنی چالاکی سے خفیہ مراسلت کر کے اس نے امرائے خلافت کو یقین دلایا کہ ایک بہت بڑی دولت منصور اور جولیانہ کے گھر سے مل سکتی ہے۔ اور اگر مجھے موقع دیا گیا تو میں اس کو بہ آسانی حاصل کر کے بغداد میں پہنچا سکتا ہوں۔ بس سب کے سب اس کے طرف دار ہو گئے۔ ادھر سے اپنے تعلقات مضبوط کر لینے کے بعد اس نے شہزادی عزیزہ مصر پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اور اسی کے باعث ہے کہ اگرچہ ساری رعایا نے مصر اس کے خون کی پیاسی ہے اور حضور کے والد امیر ابن طولون بھی اسے قتل کرنا چاہتے تھے مگر بغداد سے برابر تاکیدی احکام چلے آتے تھے کہ اس کو چھوڑ کے پھر پہلی خدمت پر بحال کر دو۔

جیل اور خارویہ ان باتوں میں محو تھے کہ یکایک کسی نے جیل کے پیچھے سے نکل کے اُس پر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ زخمی ہو کے حوض کے کنارے گر پڑا اس کے خون نے پارے کے پانی میں جا بجا ارغوانی رنگ کے پھول کھلا دیئے جیل کو گراتے ہی اس شخص نے ارادہ کیا کہ حوض میں پھاند کر خارویہ سے کچھ کہے کہ زریق چونکا۔ جھپٹ کے اس کو چھاپ بیٹھا اور خون پی لینے کے بعد ایک چشم زدن میں ایسا پھاڑ ڈالا کہ پیماننا مشکل تھا۔ خون پی کر وحشی شیر آپ سے باہر تھا اور اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ مگر خارویہ نے قریب جا کے پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ پیار کیا۔ بہلایا۔ اور آخر اس کا غصہ فرد کر کے پھر اسی جگہ بٹھا دیا جہاں وہ معمولاً بیٹھا رہا کرتا تھا۔

اب خارویہ نے جیل کے قریب جا کے دیکھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ مگر وہ مرانہ تھا بیہوش تھا۔ خارویہ نے فوراً آدمیوں کو بلا کے حکم دیا کہ اس کے منہ پر پانی چھڑک کر ہوش میں لائیں اور جب اسے ہوش آگیا تو معلوم ہوا کہ قاتل کی تلوار بہت اوجھی پڑی تھی سر سے اچٹ کے شانے پر پڑی اور خفیف سا چرکا دے کے رہ گئی۔ مگر دو اکسوں

کے کٹ جانے سے خون البتہ زیادہ بہ گیا۔ خادموں نے اُس کے زخم دھو کر پٹی باندھی
پھر قاتل کی لاش کو اٹھالے گئے جس کی صورت کو شیر نے چیر بچھاڑ کے اس قابل نہ رکھا
تھا کہ کوئی پہچان سکے۔ خادموں کے چلے جانے کے بعد خارویہ نے جمیل سے کہا
خدا نے بڑی ہربانی کی کہ تم بیچ گئے۔

جمیل: "خدا کی اصل ہربانی تو یہ ہے کہ حضور کا بال بی کا نہیں ہوا۔ اس میں کوئی مضائقہ
نہ تھا کہ میں حضور پر سے تصدق ہو جاتا۔ مگر وہ کم نجت خونی تو مجھے زخمی کر کے حضور
کی طرف چلا تھا۔"

خارویہ: اگر میرا ذریعہ نہ جھپٹ پڑے تو وہ واقعی مجھ تک پہنچ گیا تھا۔ مگر یہ سمجھ میں
نہیں آیا ہے کہ یہ کون شخص تھا اور میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا جو میری جان لینے کے
درپے ہو گیا۔"

جمیل: "میں بھی خداوند اس چکر میں ہوں۔ شہر میں جاؤں تو شاید کچھ پتہ لگے مگر آج معلوم
ہو گیا کہ دنیا میں ہم سے بے آزار لوگوں کے بھی دشمن موجود ہیں۔"
خارویہ: "تم کو اعتراض تھا کہ رات دن ذریعہ کو ساتھ رکھنا اچھا نہیں ہے۔ اب بتاؤ
کہ ایسے نازک موقع پر کوئی اور بھی کام آسکتا تھا؛ ذریعہ نہ ہوتا تو آج میری اور
تمہاری دونوں کی خیریت نہ تھی۔"

جمیل: "حضور کا فرمانا سچا ہے۔ اور واقعی مجھے آج اس جانور کی قدر معلوم ہوئی جو
باوجود وحشی ہونے کے دنا دار ہے۔"

خارویہ: یہی باتیں دیکھ کر ہمیں اپنے ذریعہ کی صورت کا عاشق ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے
ہوائی قالین کی ایک طرف کی زنجیر کھولی۔ ایک ہاتھی دانت کی بتی سے کھسے کر اس کو
حوض سیاب کے کنارے لایا جہاں ذریعہ بیٹھا تھا۔ چکار چھکار کے اس کی پیٹھ پر ہاتھ
پھیرا جس کی شکر گزاری میں وہ غرانے لگا۔ پھر آدمیوں سے منگوا کے اسے بہت سا گوشت
کھلایا اور اپنے قالین کو حوض کے بیچ میں کر کے جمیل سے کہا: "خیراب ابن مبرد کا مال پورا
کر۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے سے تم کہتے ہو عزیزہ مسر میرے آغوش شوق میں آجائے

گی۔ سچ پوچھو تو میری زندگی کی اصلی تمنا یہ ہے کہ ملائکہ فریب نازنین جو لیا نا مجھ سے ہم آغوش ہوا اور میرا پیارا زریق پاس بیٹھا ہو۔ ان دو تناؤں میں سے ایک تو خاندانے پوری کر دی مگر دوسری باقی ہے وہ شاید تمہاری کوشش سے پوری ہو جائے۔

جمیل: "حضور شاید نہ پسند کریں مگر اسی مقصد کے حاصل کرنے کے لیے میں نے ابن مبر کو آزاد کرایا۔ ابو جہل کسی طرح منظور نہ کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ ایک طرف نہروالے مجھے مار ڈالیں گے۔ اور دوسری طرف ابن طولون زرتاوان وصول کرنے کے نام سے میرا سارا گھر لوٹ لیں گے۔ مگر میں ہی تھا کہ ایسے کچھ دے زرتاوان کو سمجھا بجھا کے آمادہ کر دیا۔"

خارویہ: "مگر اُس کے چھوٹ جانے سے مجھے کیا مل جائے گا؟"

جمیل: وہ جو کچھ کرے گا مجھے بتا گیا ہے۔ اور میں اس کو حضور کی خدمت میں عرض کیے دیتا ہوں یہاں سے چھوٹ کر وہ سیدھا بغداد میں گیا ہے۔ وہاں امیر بانو اور وصیف سے

ملے گا جو بڑی بے صبری سے اُس کے آنے کے منتظر ہیں۔ دار الخلافت کے خزانے

اور تاریخی قیمتی قالین کے اڑالانے کی وجہ سے منصور کی وہاں تلاش ہو رہی ہے۔ ابن مبر جاتے ہی ان دونوں کو یقین دلائے گا کہ اگر منصور کے قتل کرنے کا کام میرے سپرد کیا جائے

تو ان کی اور ان کی دولت مند بیوی جو لیا نا کی ساری دولت لاکھوں میں حافر کر دوں گا۔ لہذا

آپ یقین جانیں کہ خلافت کے فرمان اور ایک زبردست لشکر کے ساتھ وہ منقریب

آتا ہو گا اور آتے ہی منصور کو قتل کر کے سر بغداد بھیجے گا اور اس کی مغرور جو رو کو حضور

کی نذر کرے گا۔"

خارویہ: (دیر تک غور کر کے) "مگر والد کو ایسا کرنے دیں گے؟ انہوں نے تو عزیزہ مہر

اور منصور دونوں کی عاقبت کا عہد کر لیا ہے۔"

جمیل: "یہ مجھے معلوم تھا اور میں نے ابن مبر کو سمجھا دیا ہے کہ حضور امیر مصر سے جھگڑانہ کرے

اور نہ ان کے خلاف کوئی کارروائی کرے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ تھوڑے سے دلیر و جاں باز

بہادروں کے ساتھ ایک رات کونا گہاں جو لیا نا کے قصر پہ آپڑے۔ اور اس کے

شوہر کے سر اور ساری دولت کو جھٹ پٹ لوٹ کے واپس چلا جائے اور قبل اس کے کہ حضور والی کو خبر ہو وہ اپنا کام کر لے جاتے۔ بس آپ ایک روز صبح کو بیک سین گئے کہ یہ کارروائی ہو گئی۔ اس رات کی مہر میں یا تو مجھے خبر ہے اور یا ابو حو قتل کو ہم دونوں نے ابن مبرد کو کئی دن تک سمجھا بچھا کے اس کارروائی پر آمادہ کیا ہے۔“

خارویہ: مجھے تو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میری وجہ سے اتنا بڑا ظلم ہو جائے مگر خیر میں نے مانا کہ منصور مار ڈالا جائے گا مگر جو لیا نا مجھے کیسے ملے گی؟“

جمیل: ”اس کی تدبیر بھی میں نے ابن مبرد کو بتا دی ہے وہ جو لیا نا اور اس کی تمام لونڈیوں کو قصر سے پکڑ لے جائے گا اور شام کے شہر عسقلان میں ایک ہفتہ تک قیام کرے گا جس دن مہر میں یہ واقعہ ہو گا اس کے دوسرے روز ابو حو قتل یہاں سے حکم شام کی راہ لے گا اور عسقلان میں پہنچے گا۔ وہاں ابن مبرد ان تمام لونڈیوں کو جو امیر ہوں گی مختلف لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالے گا تاہی سلسلہ میں ابو حو قتل جو لیا نا کو خرید کے یہاں واپس لائے گا۔ اور حضور اس کو ایسی خاموشی سے ساتھ خرید لیں گے کہ امیر ابن طولون یا کسی شہر والے کو خبر بھی نہ ہوگی کہ کیا کارروائی کی گئی اور آپ نے عزیزہ مہر کو مول لیا ہے۔“

خارویہ: ”تدبیر تو معقول ہے مگر نہایت ہی سفاکی دے رہی کی تدبیر ہے۔ مگر خیر میں اس کو گورا کروں گا۔ اس لئے کہ یہ کام نہ میرے ہاتھ سے ہوں گے اور نہ میرے اشارے سے۔“

جمیل: ”اس بار کو حضور کی خدمت بجالانے کے لیے یہ غلام اپنی گردن پر بڑے شوق سے لے لے گا۔ بلکہ اس کی ضرورت بھی نہ ہوگی کہ ابو حو قتل سے حضور سے خرید و فروخت کی معاملت ہو۔ وہ ایک اور شخص کے ہاتھ بیچیں گے۔ اس سے میں خریدوں گا۔ اور اپنی طرف سے نذرانے کے طور پر لاکھ ملاحظہ میں پیش کروں گا۔“

خارویہ: ”مگر افسوس میری حوروش اور پری جمال محبوبہ پر کتنا بڑا ظلم ہو گا۔“

جمیل: ”بادشاہوں اور شہزادوں کو ایسی باتوں کا خیال نہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کے ہاتھوں سے تو ایسے کام روز ہی ہوا کرتے ہیں۔ اب حضور کی اجازت ہو تو غلام شہر میں جا کے

اس بات کا پتہ لگاتے کہ یہ بد قسمت خونی کون تھا جو یہاں تک پہنچ کر مجھ پر
 حملہ آور ہوا تھا۔“

خارویہ: ”ہاں جاؤ اور جب پتہ لگے تو مجھے فوراً آ کر خبر دینا کہ یہ کون شخص تھا اور کیوں
 ہمارے خون کا پیاسا تھا۔“

جیل بہت خوب کہہ کر اپنے آقا سے رخصت ہوا اور اپنے گھر کی راہ لی۔

سازش کرنے والوں کا غلبہ

آدھی رات کا وقت ہے اور اندھیری رات ہمارے کھلے ہوتے ہیں۔ اور سیلاب نیل سے جو پانی کوسوں تک میدلوں اور کھیتوں میں پھیلا ہوا ہے اس پر ہلالی مہینے کی پھلی راتوں کے چاند نے اقیانوس میں منہ نکال کر اپنی لوز کی چادر بچھا دی جس کے پتے سے بنے قرار لہریں اُبھر اُبھر کے کسی طرح شکنوں کو نہیں مٹنے دیتیں۔ یہ متلاطم موجیں کسی عاشق بے تاب کی طرح چاہتی ہیں کہ ماہتاب سے عکس کو اپنے آغوش میں چھالیں گے مگر نہیں چھپا سکتیں۔ اسی فرسش سمیں کے درمیان ایک بلند خطہ زمین پر شہر فسطاط کی عمارتیں نمایاں ہیں۔ شمال کی جانب ایک بہت اونچے ٹیکرے پر عزیزہ مصر کا تاریخی قصر اپنے کلسوں کو ننگ بے ہر کے کلیے میں پیوست کئے ہوئے ہے۔ درمیان میں وہ پرانا قصر العین ہے جس میں والی مصر رہتا ہے اور اس کی چوٹی پر دولت عباسیہ کا پھر پراٹر رہا ہے ان دونوں قصروں کے درمیان اوزہر چار طرف دور دور تک شہر فسطاط کی آبادی پھیلی ہوئی ہے جو قبلیوں کے عہد کی بہ نسبت اب بہت زیادہ ترقی پر ہے۔ اور اسی موجودہ عروج کے باعث یہ شہر سارے یورپ میں فی الحال "بابل" کے نام سے مشہور ہے۔ ایسے کہ فرنگستان والوں نے تورات کی تاریخ میں فرات کے کنارے والے فنا شدہ بابل کے جو افسانے پڑھے ہیں وہ سب ان دنوں اسی شہر کی سیر کر کے اور اس کی عالی شان عمارتیں دیکھ کر یاد آجاتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ فسطاط نے اسکندریہ کی ساری دولت و عظمت کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ اور اس اگلے دارالسلطنت مصر کی وقعت ایک مرکز تجارت بندرگاہ سے زیادہ نہیں باقی رہی۔

اسی آبادی کے آگے آگے اور دریا کے کنارے کنارے جو بڑک شمال سے جنوب کی طرف چل گئی ہے اس پر اس سناٹے کی گھڑی میں دو شخص آپس میں باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک جس کے سر اور شانے پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں ہمارا مفسد دوست جمیل بن سنان ہے اور دوسرا اس کا رفیق کو رعصیت ابوالحوقل و میاہلی۔ عالم آب اور اس پر چھپکنے اور ٹرپنے والی چادر نور نہایت دلکش اور پرلطف چیزیں ہیں۔ مگر دونوں کچھ ایسے افکار و تردوات میں محو ہیں کہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ مشرق افق سے کیسی نور پاشی ہو رہی ہے اور صفحہ عالم پر کیا بہار کا عالم طاری ہے۔ انہیں اپنی فکروں کے سوا کسی بات کا خیال نہیں۔ ابوالحوقل نے چلتے چلتے رک کے اپنے رفیق کی طرف منہ پھیرا اور کہا میں تو سمجھتا ہوں کہ آج ہی کی تاریخ سے یہ سب اندیشے دور ہو جائیں گے۔ بس ابن میرد کے واپس آنے کی دیر ہے۔“

جمیل: ”مگر مجھے تو اس واقعہ کی وجہ سے اپنے تمام منصوبوں کی نسبت شبہ ہو گیا اور ایسا نظر آتا ہے کہ جیسے کوئی اور مخالف قوت اور خوف ناک سازش پردے کے پیچھے چھپے ہمارے ضلالت کام کر رہی ہے۔“

ابوالحوقل: اس واقعے کے اندیشہ ناک ہونے میں شبہ نہیں مگر آپ اس کو جہاں تک بڑھاتے ہیں وہ آپ کا دہم ہے۔

جمیل: آخر مجھ پر اور میرے آقا خاویہ پر کسی کو حملہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ہم نے کسی کا کیا بگاڑا ہے جو کوئی ہماری جان کا خواستگار ہو گا یقیناً کوئی شخص ان تدابیر میں ہمارا مزاحم ہونا چاہتا ہے۔ اور اسی لئے میں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس سازش کو ڈھونڈ دھنڈ نکالوں گا دم نہ لوں گا۔“

ابوالحوقل: مگر آدھی رات کے سناٹے میں اس وقت کیسے پتہ لگے گا، اس کا خیال چھوڑ دو اور اس وقت جو ہونے والا ہے اس کا ذکر کرو۔“

جمیل: ”جس شخص نے ہم پر حملہ کیا اگر پشیر نے چیر بچھاڑ کر اس کی صورت بگاڑ دی مگر جس وقت اس نے مجھ پر تلوار ماری ہے میں نے پلٹ کے اُس کی صورت دیکھی تھی اُس

صورت کا ایک شخص ملاحوں کی گلی میں رہتا ہے۔ اور اس کی کشتی پر ایک بار سوار ہو کے میں قصبہ ارسوف میں گیا ہوں۔ پھر اس کے بعد میں نے ایک دن اس کو تو ال شہر ابن دغنه کے دروازے پر دیکھا تھا۔ چل کے اس کو دیکھتا ہوں۔ اگر صبح سلامت ہو تو سمجھوں گا کہ وہ کوئی اور شخص تھا۔ اور اگر نہ ملا تو مجھے یقین ہو جائے گا کہ وہی تھا جو زریق کے پنچہ کا شکار ہوا اور تاپتر مل جانے کے بعد میں سب باتیں دریافت کر لوں گا۔ پہلے اس کو چل کے دیکھ لو۔

ابو الحوقل: "اس وقت گھبراہٹ میں آپ نے کیا دیکھا ہوگا۔ بھلا ایسے دیکھنے کا کچھ اعتبار ہے؟ اور اگر اس کا کچھ خیال ہے بھی تو ابن دغنه سے کہیے گا وہ پتہ لگالیں گے۔ جمیل: "اپنا کام آپ ہی خوب ہوتا ہے۔ اور ابن دغنه سے امید بھی نہیں کہ سچائی سے اس کام کو انجام دیں۔ مجھے ان پر بھروسہ تھا مگر چند روز سے ان کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ میں نے ان کو فریب دیا اور غلط باوز کرایا کہ امیر ابن طولون دل سے ابن مبرد کے طرفدار ہیں۔"

ابو الحوقل: تو کیا آپ نے ان سے یہ کہا تھا؟
جمیل: میں نے یہ تو نہیں کہا کہ مجھے صبح طور پر ایسا معلوم ہوا ہے۔ میں نے اپنا یہ قیام ان پر ظاہر کیا تھا۔ تو اول تو ابھی اس خیال کی پوری طرح تکذیب نہیں ہوئی اور ہو بھی تو کسی قیام کے غلط ہو جانے سے مجھ پر بدگمان کیسے کی جاسکتی ہے؟ اور لویہ ملاحوں کا محلہ بھی آگیا۔ اور یہ دیکھئے اس مشتبہ شخص کا مکان ہے۔" ساتھ ہی بڑھ کے دروازہ دھم دھمایا اور اندر سے ایک ضعیف العمر شخص نے نکل کر صاحب سلامت کے بعد پوچھا "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

جمیل: "اسی مکان میں وہ ملاح رہتا ہے جو ٹھنکنا۔ گدار اور بڑے بڑے نتھنوں والا شخص ہے۔ اس کی داڑھی چھوٹی ہے اور سر گنجا ہے۔"
بڑھا: "شاید آپ ابن الغیوق کو پوچھتے ہیں۔ وہ میرا بیٹا ہے اور پرسوں چند شامی مسیحیوں کو لے کر باط کی طرف گیا ہے۔ امید ہے کہ دو تین ہفتوں میں واپس آجائے۔"
جمیل: "تو وہ پرسوں سے یہاں نہیں ہے؟"

بڑھا: ہاں ہاں نہیں ہے۔ ان لغو اور فضول باتوں سے کیا حاصل؟ اپنا مطلب کیسے
تھوڑی دور جانے کی ضرورت ہو تو میں پہنچا دے سکتا ہوں۔ مگر میری کشتی دور نہیں
جاسکتی۔

جمیل: ”مجھے کہیں جانا نہیں ہے تمہارے بیٹے سے مجھے ایک ضروری کام تھا۔ یہ جواب پا کر
بڑھے نے گھر میں گھسی کر دروازہ بند کر لیا۔ اور جمیل اور ابوالحوقل واپس روانہ ہوئے اور
دو قدم بڑھ کے ابوالحوقل نے کہا: ”اب تو یقین ہو گیا کہ یہ شخص نہ تھا؟“
جمیل: ”ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کی صورت دیکھ لوں تو جانوں کہ وہ نہ تھا۔“ یہ
باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک حبشی نے قریب آ کے کہا: ”میرے آقا آپ خوب ملے۔ مجھے
اندیشہ تھا کہ شاید آپ اس وقت ادھی رات کو نہ آئے ہوں۔ مگر آپ میرے بکھنے کے
مطابق موجود ہیں۔ اور یہ آپ کے دلی دوست جمیل ہیں۔“ ابوالحوقل نے اپنے غلام کو
فوراً پہچان لیا اور کہا: کافور! تم نے بڑا انتظار کرایا۔ اچھا جلدی کہو کہ سب کام پورا ہو گیا۔
کافور: ”جی ہاں آپ کی عنایت سے ابن مبرد اپنی سب تدبیروں میں کامیاب ہوئے۔
جب آپ نے ان کو آزادی دینے کے بعد مجھے ان کے ساتھ روانہ کیا تو ہم دونوں یہاں سے
بھاگ کر سیدھے شہر عسقلان میں پہنچے۔ اور وہاں دو چار روز دم لینے کے بعد دارالاسلام
لبنان کی راہ لی وہاں پہنچنے کے دوسرے دن ابن مبرد سردار عساکر ترک باغری سے اور پھر
باغری کے ساتھ جاکے ایوان خلافت کے داروغہ وصیف سے ملے۔ اور اپنی رہائی کا حال بیان
کر کے ان دونوں کو اپنا دوست اور طرف دار بنالیا۔“

جمیل: ”یہ دونوں ترک سرداران کے ہمدرد پہلے ہی سے تھے۔ تم نے یہ بھی سنا کہ ان
سے کیا باتیں ہوئیں؟“

کافور: ”اگرچہ میں ابن مبرد کے ساتھ وہاں گیا تھا مگر اتنے فاصلہ پر ٹھہرا دیا گیا تھا کہ ان کی
گفتگو اپنے کانوں سے نہیں سن سکا۔ تاہم جو کچھ ابن مبرد سے میں نے سنا عرض کیے دیتا ہوں
ابن مبرد نے ان سے کہا آپ کو اپنی قوت و شوکت بڑھانے کے لیے دولت اور
روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور یہ چیز کسی جگہ اتنی نہیں مل سکتی جتنی کہ مصر کے صرف ایک گھر

یعنی جو لیانا یا منصور کے مکان سے مل جائے گی۔ آپ نے جب میری خواہش کے مطابق منصور کے گرفتار کرنے کا حکم جاری کیا تو میں نے اس کا رروائی کو اسی وقت شروع کر دیا تھا مگر ابن طولون مزاحم ہوا میں نے جو لیانا کو بلا کے حراست میں لیا ہی تھا کہ اس کے اشارے سے بازاری لوگوں نے مجھ پر زغہ کر دیا اور عین اسی وقت خود ابن طولون بھی آ پہنچا۔ انجام یہ ہوا کہ جو لیانا چھوڑ دی گئی اور میں قید کر کے بازاری لوگوں کے حوالے کر دیا گیا جن کی حراست سے چھوٹ کر اب کئی سال بعد مجھے یہاں آنا نصیب ہوا ہے۔

یافز: تو پھر اب اس دولت کے حاصل کرنے کی کیا تدبیر ہے۔ ابن طولون کو کھاجائے۔ ابن میرد: ابن طولون کے ذریعے سے اس کام کا انجام پانا ممکن ہے۔ وہ جو لیانا کا جامہ پہنے ہوئے ہے اور ان دونوں میاں بیویوں کی حمایت کا ذمہ لے چکا ہے۔ وصیفت: اچھا تو باغرا آپ زبردست لشکر کے ساتھ ابن طولون پر حملہ کر دیں اور اس سرکش والی کے ساتھ ان دونوں میاں بیویوں کو گرفتار کر کے اور ان کا مال و ایاب ضبط کر کے یہاں لے آئیں۔

ابن میرد: اس طرح آپ کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ ابن طولون کے مقابلے پر لشکر گیا تو وہ مقابلہ کرے گا۔ اور اگر آپ فتیاب بھی ہوئے تو سونے کی چڑیا کے اس جوڑے کو مع اس کے خزانہ جواہرات کے افریقہ کے کسی ایسے دور دراز مقام پہنچا دے گا کہ پھر ان کا ہاتھ آنا غیر ممکن ہو جائے گا اس لیے مجھے اپنے خیال میں تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھے فقط ایک ہزار بہادر و جبار ترکوں کے ساتھ روانہ کریں میں ابن طولون اور تمام اہل فسطاط کو غفلت میں ڈال کے ناگہاں ایک آدھی رات کو جا پہنچوں اور رات کے اندھیرے میں عزیزہ مصر کے قصر پر شیخون مار کے ان دونوں میاں بیویوں کو گرفتار کر لاؤں اور جو کچھ مال و دولت ملے اس کو بھی لا کے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں پھر اس کے بعد جب مصر کے اس قدیم دولت مند گھرانے کی دولت ہاتھ آجائے اور منصور جو لیانا بھی آپ کے قبضے میں ہو جائیں تب سردار باغرا کے ابن طولون کو اس کی بغاوت و سرکشی کی سزا دیں۔

اس تجویز کو وصیف اور باغردونوں نے پسند کیا اور ایک ہفتہ کے اندر ایک ہزار جوانان ترک کا شاندار لشکر ابن مبرد کے حوالے کر دیا۔ جس کو لے کر وہ نہایت خاموشی کے ساتھ شام میں آئے اور مشہور کر دیا کہ عسقلان سے جہازوں پر سوار ہو کر جزیرہ اتریش (کریٹ) پر جائیں گے۔ وہیں سے آپ کو میں نے ایک قاصد بھیج کر اطلاع کر دی کہ آج ادھی رات کو وہ جو لیا نا کے قصر پر حملہ کریں گے۔ اور واپسی کے وقت آپ ان کو جبل مقطم کی اُس گھاٹی میں ملیں جس گھاٹی میں سے گزر کے قافلے مصر سے شام کو جایا کرتے ہیں۔ اور جب وہ جبل مقطم سے نکل کے قصر جو لیا نا کی طرف چلے ہیں ان سے الگ ہو کر آپ کی خدمت میں چلا آیا تاکہ آپ کو ساتھ لے چل کے اس وقت اُن سے ملاؤں جب وہ اپنا کام پورا کر کے اس گھاٹی میں واپس آجائیں گے۔

ابوالجوقل: تو چلو ہم انہیں پہاڑوں میں چل کے ٹھہریں۔

جمیل: بے شک چلئے۔ ابن مبرد نے بڑی ہوشیاری سے اپنا کام پورا کر لیا۔ اور بہتر ہوتا کہ ہم اسی وقت عزیزہ مصر کو ان سے لے کر آپ کے گھر میں رکھ دیتے اور جب موقع ملتا اس کو خارویہ کے پاس پہنچا دیتے۔

فوراُ دونوں شخص کا فور کے ساتھ ہو لیے اور سیلاب کے درمیان بند مینڈوں پر قدم رکھتے ہوئے کوہ سار مقطم کی طرف چلے۔ اور تقریباً ایک گھنٹہ میں جب کہ دثالث رات گزر گئی تھی اس گھاٹی میں پہنچ کر جو ملاقات کے لیے مقرر ہو گئی تھی ابن مبرد کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ ایک گھنٹہ کے انتظار کے بعد ابن مبرد اپنے ترک ہمراہیوں کے ساتھ واپس آگیا۔ یہ لوگ مال و دولت سے خوب لدے ہوئے تھے۔ اور تقریباً پچاس رومی و ترکی تیزیوں اُن کے ہاتھ میں ایسے تھے جن میں حور خصال و پری جمال نازنین جو لیا نا بھی تھی۔

ابن مبرد جمیل اور ابوالجوقل کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر کر ان سے بغل گیر ہوا اور چلایا، میرے ہر بان دوستو مر جا، ساتھ ہی جمیل بولا، اور میرے فتح مند بہادر زندہ باش۔

ابن میرد: "بے شک آپ کی ہر بانی و حمایت سے میں بہادر اور فتح مند ہوں۔ اور اصل میں یہ آپ کی فتح ہے۔ مگر اصلی فتح آپ کو اس وقت حاصل ہوگی جب آپ کی مدد سے سپہ سالار بغداد باغ کو فتح ہوگی۔ اور ان کے علم اقبال کے سائے میں ہم آپ مل کے مصر پر حکومت کریں گے۔ اور اس کی تدبیر یہ ہوگی کہ ہم ابن طولون کو قتل کر کے فارویہ کو یہاں کافر بنا دین گے۔ جو اپنے وحشی شیر زریق کی پناہ میں بیٹھ کر عزیزہ مصر کے وصال کا شربت پئیں گے اور ہم آپ حکومت کریں گے۔"

جمیل: "اور یہ کامیابی فارویہ کے لیے نعمت مترتبہ ہوگی۔ اس لیے کہ میں نے ان کو ابھی اس کی مطلق امید نہیں دلائی ہے۔ مگر یہ تو بتاتے کہ آپ پوری طرح کامیاب ہوئے؛ ابن میرد: "ہاں جو یانا اور اس کی تمام کنیزیں میرے ساتھ ہیں۔ اس کا بہت سامان و خزانہ بھی مل گیا۔ مگر اس میں سے بہت سی قیمتی چیزیں جلدی میں ہم نہیں لاسکے مگر ایک بڑی بات رہ گئی۔ وہ یہ کہ منصور ہاتھ نہ آیا۔ وہ کسی طرف نکل گیا اور نہ وہ تاریخی قائلین ملا جس کو منصور خزانہ خلافت سے اڑا لایا۔"

جمیل: "یہ تو بہت برا ہوا مگر کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کو ہم مخفی رکھیں۔ اور اگر وہ غائب نظر آیا تو فارویہ پر میں یہی ظاہر کر دوں گا کہ وہ اسیر ہے اور اسیر ہو کر بغداد گیا اور مار ڈالا گیا اور یہی آپ ظاہر کریں۔"

ابن میرد: "بہتر ہے یہی ہوگا۔ مگر میں نے قصر کا ایک ایک کونہ ڈھونڈھ ڈالا اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اچھا اب یہ بتاتے کہ جو یانا کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟ میں اپنے ساتھ لیتا جاؤں یا آپ اپنے پاس رکھیں گے؟"

جمیل: "اس کو اپنے ساتھ کیوں جائیے؟ یہیں ابوالموقل کے سپرد کر جائے تاکہ جس کی وجہ سے آپ کو مصری ملک التجار ابوالموقل کی قید بھگتنا پڑی۔ اسی قید کا مزہ گزشتہ واقعات کے انتقام میں چند روز وہ بھی بھگتے۔"

ابوالموقل: مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسب قرار و سابق آپ ہنزا دی کو اپنے ساتھ لے جائیں اور سلطان میں ایک مجمع عام میں سب لونڈیوں کے ساتھ اس کو بھی فروخت کر ڈالیں

میرا غلام کافور جو پھر آپ کے ساتھ جائے گا اس کو خرید کر اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ تجارت کے بہانے کسی موقع پر میرے پاس مصر میں پہنچا دے۔ اس طرح کسی پر اس کا حال نہ کھلے گا اور نہ کوئی یہ جان سکے گا کہ کیونکر میرے قبضے میں آئی۔ پھر چند روز بعد مخفی طور پر میں اسے امیرزادہ فاروقیہ کی نذر کر دوں گی۔

ابن مبرد: اس مصلحت کے خیال سے بہتر ہوگا کہ آپ خود عسقلان میں چلے جائیں ممکن ہے کہ کسی کو خبر ہو جائے اور لوگ راستے میں اس کو چھڑا لے جائیں۔ اور پھر آپ سے بدگمان ہوں عوام ان اس پر عزیزہ تھر کا بڑا اثر ہے۔

ابوالموئل: بہتر ہے میں خود چلا آؤں گا۔

اب ابن مبرد واپسی کے لیے ان دوستوں سے رخصت ہو رہا تھا کہ جیل نے پوچھا ”آپ نے جس وقت جو لیانا کے قصر پر حملہ کیا ہوگا بڑا ہنگامہ مچا ہوگا۔ کاش میں اس وقت کی حالت کو دیکھتا مگر اپنا جانا کسی طرح مصلحت نہ نظر آیا۔“

ابن مبرد:

(مہنس کر) بے شک وہ گھڑی لطف سے خالی نہ تھی جب ہم رات کے سناٹے میں گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے پہاڑی کی بلندی پر پہنچے۔ جہاں ہر طرف خاموشی کا عالم طاری تھا۔ پھاٹک خوش قسمتی سے کھلا ملا اور ہم فوراً اندر گھس پڑے دو دربانوں کو جو جاگ رہے تھے موت کے گھاٹ اتارا۔ اور قصر کی اندرونی عمارت کی طرف چلے۔ اس گھڑی تک تو سناٹا اور سکوت تھا مگر دربانوں کے قتل ہوتے ہی سارے قصر میں شور مچ گیا۔ لوگ گھبرا گھبرا کے صحن میں دوڑنے اور بھاگنے لگے۔ کنیزیں اور محل کی ملازم عورتیں چلانے اور ماتم کرنے لگیں۔ ہم نے نہایت استقلال کے ساتھ محل کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور یہ طریقہ اختیار کیا اور مرد ہو یا عورت جو سامنے آتا اسے باندھ لیتے۔ اور اگر مزاحم ہوتا تو تلوار سے خبر لیتے۔ اس طریقہ سے ہم نے باہر ہی کھڑے کھڑے قریب قریب قصر کے تمام آدمیوں کو اسیر کر لیا اور منتظر تھے کہ اسی طرح جو لیانا اور اس کا شوہر بھی خود ہماری کند میں پھنس

جائیں گے مگر وہ کسی طرح نہ آئے۔ آخر اودھ گھنٹے کے توقف کے بعد بغیر کسی روک ٹوک کے ہم محل کے اندر داخل ہوئے۔ ہمراہیوں کو حکم دیا کہ جو کچھ قیمتی مال و اسباب اور سونا چاندی ملے اس کو لا کر قصر کے برآمدے میں جمع کریں اور میں خود قصر کے کمروں اور مختلف حصوں میں چکر لگانے لگا کہ عزیزہ مسر اور منصور کو گرفتار کروں۔ مگر باوجود سخت جستجو کے ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اب مجھے اندیشہ ہوا کہ بہت دیر ہو گئی ہے۔ ایسا نہ ہو غمخواروں کو ہمارے محلے کی خبر ہو جائے۔ سارے اہل قسطنطنیہ اٹھ اٹھ آئیں اور ان کے ساتھ امیر کی فوجیں بھی ہوں۔ سخت ناامیدی کے بعد ہمیں ایک لڑنے ہوئے صندوق کی آڑ میں جو یا نائل گئی جو خوف سے بھی اور دہکی ہوئی تھی۔ میری صورت دیکھتے ہی اس نے ایک بیخ ماری اور جھپٹی کہ تجھ پر حملہ کرے۔ مگر میرے بہادر ساتھ والوں نے پکڑ لیا اور مہلتہ میں کپڑا ٹھونس کے باندھ لائے۔ اس کے بعد میں نے منصور کو ڈھونڈھا مگر معلوم ہوا کہ وہ ہاتھ سے نکل گیا۔

جمیل: "نہیں نکلا نہیں بلکہ امیر ہوا ہے اور بغداد میں قتل ہوگا۔" یہ کہہ کے ہنسنے لگا۔
ابوالحوصل: "اور عزیزہ مسر جو یا ناکہاں ہے؟"
ابن مبرد: "میں نے اس کو ایک شجر کی پیٹھ پر بندھوا دیا ہے۔ یہاں سے ایک منزل نکل جانے کے بعد کھواؤں گا۔"

یہ کہہ کے ابن مبرد دونوں رفیقوں سے رخصت ہو کر وہ مقتطم کی گھاٹیوں سے گزر کے مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔

www.marfat.com

شیروں کے سپہ گریہ

مذکورہ واقعہ کو ایک ہفتہ گزرا ہو گا کہ ایک شام کو ہم شہر فسطاط کے پاس ترکی سواروں کو جوش و خروش کے نعروں کے ساتھ آبدار تلواروں کو حرکت دیتے اور عراقی گھوڑوں کو ہنناتے دیکھتے ہیں۔ یہ دس ہزار ترکوں کا لشکر بغداد ہے اور علم سپہ سالاری امیر الجیش خلافت باغز کے سر پر لہا رہا ہے باغز سر پر خود اور جسم میں دوہری زرہ پہنے ہے اور اس کے مضبوط و بلند قامت راہوار پر بھی فولادی جال پڑا ہوا ہے جو ترکی الاصل غلام ان دنوں تاج و تخت دولت عباسیہ پر حاوی ہیں ان کا سردار اعظم یہی شخص ہے جس نے خلافت کو اپنے ہاتھ کا کھلونا بنا لیا ہے۔ خاندانی شرفائے عرب کمزور کر کے گھروں میں بٹھادیے گئے ہیں۔ اور یہ غلاموں کا سردار جس کو چاہتا ہے تخت پر بٹھاتا ہے۔ جس خلیفہ کو چاہتا ہے کماں بے رحمی سے قتل کرتا ہے۔ اور اب ابن طولون کو اپنی اطاعت سے باہر اور اپنی شرمناک ظالمانہ خواہشوں کے خلاف پا کے لشکر جرار کے ساتھ آہنچا ہے کہ اُسے قتل کر کے حکومت مصر خاویہ کے ہاتھ دیدے۔ ان لوگوں کو یقین ہے کہ قبل اس کے اہل مصر کو خبر ہوتے پائے۔ ہم بلائے ناگہاں کی طرح یکایک آہنچے ہیں کسی کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوگی۔ ہم جی بھر کے امرائے شہ اور دولت مند مصریوں کو لوٹیں گے۔ اور دولت سے لے پھندے واپس آجائیں گے۔

مگر ان لوگوں نے جیل مقطم کی گھاٹیوں سے سرنکالا ہی تھا کہ امید کے خلاف سامنے مصری سواروں کا لشکر صفیں باندھے اور لڑائی کے لیے تیار نظر آیا۔ جس کے آگے ابن طولون ایک اعلیٰ درجے کے گھوڑے پر سوار زرہ جوشن سے آراستہ اور خود پہنے کھڑا تھا

اور اس کے سر پر مصری علم کا پھریرا سایہ کئے ہوئے تھا۔ باغز حریف کو تیار دیکھ کے ذرا
 رُکا اور دل میں سوچا کہ اب کیا کیا جائے۔ مگر دلیری و شجاعت کی غیرت نے جوش دلایا۔
 اور یہ نعرہ مار کر کہ ان دشمنانِ خلافت کو پامال کر ڈالو۔ ”حملہ کر دیا۔ اس لشکر کو آتے دیکھ کر
 چار ہزار مصری سواروں نے بجائے آگے بڑھ کر روکنے کے اپنے نیزے آگے بٹھا دیئے
 کہ بے باک ترک ان میں چھدنے رہ جائیں۔

چند منٹ کے اندر دونوں لشکر مل گئے۔ ترکوں نے قریب پہنچ کر مصریوں کے
 نیزے اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالے یا زمین پر گرا دیئے اور بڑھ بڑھ کے تلواروں
 سے وار کرنے لگے۔ سخت خونریزی ہونے لگی اور بہادریوں کے نعروں۔ گھوڑوں کے
 بہانے اور اسلحہ کے رٹنے کے شور نے مل کے ایسا ہنگامہ مچا دیا کہ کان پڑی آواز
 سنائی دیتی تھی۔ اور میدانِ خون سے سرخ ہو جاتا تھا۔ تقریباً دو گھنٹوں تک سخت معرکہ آرائی
 رہی اور دونوں طرف کے سپہ گزشت سے مارے گئے۔

یہ حالت دیکھ کر باغز لڑتا بھڑتا نیزوں اور تلواروں کے صد ہا واروں کو اپنے
 آہنی لباس کے مقابل بے کار ثابت کرتا ہوا ابن طولون کے قریب پہنچا اور پکار کے
 کہا: ”ابن طولون ادھر! اور بہادری کا دعویٰ ہے تو بہادریوں کا مقابلہ کر! یہ الفاظ سنتے
 ہی ابن طولون ایک وحشی شیر کی طرح اس پر چھپٹا اور باغز کے سینے پر اس زور سے
 نیزہ مارا کہ اگر وہ فولادی چار آئینہ پر کارگر نہیں ہوتی مگر ترک سپہ سالار اس کے دباؤ
 اور زور سے اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر چت لیٹنے کے قریب جھک گیا۔ مگر ساتھ ہی
 نیزے کو ہاتھ سے پکڑ کے سینے پر سے ہٹایا سنبھل کے میدھا ہوا۔ اور کہا ابن طولون
 تو باغزی ہے اور تمک حرامِ خلافت نے اس لیے تجھ کو حکومت مصر نہیں دی ہے کہ
 باغزی بن کر امامِ وقت اور جانشینِ مسد آل عباس سے دشمنی کرے!“

ابن طولون: ”میں نہ خلافت کے خلاف ہوں اور نہ اپنے امام کا دشمن۔ میں تم باغزی و
 ظلم سردارانِ ترک کے پنجہ ستم سے خلافت کو چھڑانا چاہتا ہوں۔ اور ان دشمنانِ خدا
 کے خون کا پیاسا ہوں جو آل عباس کے محترم و مقدس خون سے زمین کو تر کرتے ہیں۔“
 باغز: ”کیا تجھے اس میں شک ہے کہ اس لشکر کو امیر المؤمنین المنتصر باللہ نے بھیجا ہے

اور ہم خاص علم خلافت کے نیچے لڑ رہے ہیں؟
 ابن طولون: ہاں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ امیر المؤمنین تمہارے ہاتھ کا کھلونا
 اور تمہارے مظالم سے نالاں ہیں اور دینی اقتدارات خلافت کو تم لوگوں نے غصب کر لیا
 ہے۔ لہذا تمہارے احکام ہرگز واجب العمل نہیں ہیں۔

باغز: خیر اگر ہوسوں نے تجھے خلافت کا دشمن بنا دیا ہے تو اپنی جان پر اپنے بال بچوں
 پر۔ اپنی فوج پر اور اپنے شہر والوں پر ترس کھا اور اطاعت قبول کر اس لیے کہ تیرا لشکر
 کمزور پڑ چکا۔ تیرے سپاہی اپنی تعداد کی کمی کی وجہ سے ہمت ہار چلے اور بالکل بے کار ہیں
 جانے دے رہے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہمت ہار کے بھاگ جائیں گے یا سب
 کے سب مارے جائیں گے۔ اس لیے تیرے لیے مناسب یہ ہے کہ اطاعت قبول کر کے
 ہتھیار رکھ دے۔ خلافت و امامت کی دشمنی کی سزا تو تجھے مرنے کے بعد ملے گی مگر عقل
 کا دہنی بن جن کی سزا اسی دنیا میں اور اسی میدان میں تجھے بہت جلد ملنا چاہتی ہے۔
 ابن طولون: "میرے بہادر مر جائیں گے مگر تم ظالم غاصبان امامت کی اطاعت ہرگز نہ
 کریں گے۔"

اس جواب پر طیش کھا کے باغز نے ابن طولون کے خود پر تلوار کا ایسا بھر پور ہاتھ مارا
 کہ تلوار خود میں پیوست ہو کے رہ گئی۔ اور باغز کو مجبوراً اس سے دست بردار ہو جانا پڑا
 تلوار کو چھوڑ کے وہ پیچھے ہٹا اور ابن طولون گزرتا کر بڑھا کہ ایک کوہ شکن ہاتھ سے
 بھیجا پاش پاش کر دے۔ مگر باغز اپنے لشکر میں غائب ہو گیا۔

اب لڑائی کا یہ رنگ تھا کہ مصری ساعت بر ساعت کمزور ہوتے جاتے تھے اور
 حملہ اور ان تمام کا زور اور جوش و خروش بڑھتا جاتا تھا۔ ابن طولون کے رفقا شہر کی گلی کوچوں
 میں پکارتے پھرتے تھے کہ حمایت وطن کو چلو ورنہ دم بھر میں مردم خوار و بہائم صفت ترک
 اگر تمہارے گھروں کو لوٹیں گے اور تمہاری بے حرمتی کریں گے۔ مگر رات ہو جانے کی وجہ
 سے بہت کم لوگ گھروں سے نکلتے تھے۔

اب رات ہو چکی تھی اور ظلمت نے عالم کے چہرے پر اپنا تیرہ و تار غلاف ڈال دیا

تھا۔ مگر ستارے اس خونین منظر کو انکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھ رہے تھے۔ مصری لشکر میں ہزاروں شخصیں روشن تھیں مگر عراق کے ترکی لشکر والوں کے پاس روشنی کا سامان کم تھا۔ اس لیے وہ لوگ باوجود غلبے کے چاہتے تھے کہ لڑائی کو کل پراٹھا رکھیں۔ مگر مصری ابن طولون کی حوصلہ افزائیوں سے برابر مقابلہ کیے جاتے تھے۔ اور روشنی کا اچھا انتظام ہونے کے باعث میدان سے واپس جانے کا خیال نہ تھا۔ آخر عراقی لشکر اتوائے جنگ کے ارادے سے پیچھے ہٹ کر سمٹنے لگا۔ رات کو ایک ہی جگہ جمع ہو کر بسر کریں۔

اسی حالت میں ناگہان باغز کے ترکی لشکر میں ایک عجیب بل چل پڑ گئی۔ ہر حصہ فوج کمال بدحواسی و اضطراب سے ایک دوسرے پر گرنے لگا۔ لوگ جنمیں مار مار کے بھاگتے اور ہر شخص دوسرے کی اڑ میں پناہ ڈھونڈھتا۔ ان کے شور و فل اور ان کی چیخوں اور آہ و فریاد کی آوازوں نے ایک عجیب و ہشتناک عالم پیدا کر دیا تھا جس کو حملہ آوران مصر اور ابن طولون نے نہایت ہی حیرت سے دیکھا مگر کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ عراقیوں پر کیا ایک یہ کیسی بلا نازل ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ابن طولون نے اپنے لوگوں سے پکار کے کہا۔ خدا نے اچھا موقع پیدا کر دیا۔ گو کہ رات کا وقت ہے مگر اسے بہادران مصر ایک اور جاں بازی کا حملہ کرنا اور ان بے حمیت دشمنوں کو جزیرہ پر معلوم ہوتا ہے عذاب الہی نازل ہو چکا اسی میدان میں کاٹ کے ڈال دو۔

ابن طولون یہ الفاظ کہہ ہی رہا تھا کہ اس کا نو عمر فرزند فاروقیہ جھپٹ کے قریب آیا اور چلایا کہ باوا جان ذرا توقف فرمائیے۔ فاروقیہ باپ کے سامنے ادب سے کبھی زبان نہ کھول سکتا تھا۔ اس نے جو جرات کر کے یہ فقرہ کہا تو ابن طولون نے حیرت سے اس کی سورت دیکھی اور کہا "اس سے بہتر بھی حملے کا کوئی موقع مل سکتا ہے۔"

فاروقیہ: "جی ہاں۔ ابھی موقع نہیں۔ اس لیے کہ اس وقت دشمنوں پر میرا حملہ ہو رہا ہے شجاعان مصر کو کمزور دیکھ کر میں اپنے زبردست لشکر کو مرتب کر کے آہنچا۔ اور یہ میرے نونخواہ بہادر ہیں جنہوں نے دشمنوں میں پھل ڈال رکھی تھی۔"

ابن طولون: "تمہارے بہادر کون؟ اور تمہارا حملہ کیسا؟ تم تو یہاں میرے پاس

کھڑے ہوئے

خارویہ: "جی ہاں میں یہاں کھڑا ہوں مگر میرے بہادر رڑ رہے ہیں :-
ابن طولون: تمہارے بہادر کون؟"

خارویہ: میرے بہادر میرے پالتو شیر ہیں جن کے رکھنے سے آپ ہمیشہ ناراض رہا کرتے تھے میں نے جب دیکھا کہ آبادی کے اندر لوگ ملک پر بلائے جاتے ہیں اور کوئی نہیں آتا تو دل میں خیال کیا کہ آج ہی ان بہادروں کے امتحان کا دن ہے چنانچہ اپنے بیس خوشنوار شیروں اور پچیس خون آشام بھتیوں کو لاکے دشمنوں پر چھوڑ دیا جو اپنے پرانے کو خوب پہچانتے ہیں میرا پیارا ذریعہ ان کا سپہ سالار ہے۔ وہی ان سب شیروں اور بھتیوں کو رڑا رہا ہے۔ دشمنوں میں جو آپ پریشانی اور بدحواسی ملاحظہ فرما رہے ہیں یہ انہیں شیروں کی بدولت ہے۔

یہ سن کر ابن طولون کو نہایت حیرت ہوئی اور مسکرا کے کہا "واقعی تمہارے بہادروں نے آج بڑا کام دیا اور آئندہ میں تم کو ان درندوں کے پالنے سے نہ روکوں گا۔ مگر شب دروز ان کے پاس رہنے سے مجھے اندیشہ ہے کہ کبھی خدا نخواستہ تمہاری جان کو ضرر نہ پہنچ جائے۔ لیکن آج یہ درندے بڑے وقت پر کام آئے تاہم میں پوچھتا ہوں کہ کیا مناسب ہوگا کہ ہم بھی اسی وقت حملہ کر کے دشمنوں کو بھگا دیں۔"

خارویہ: میں نے اگرچہ اپنے شیروں کو مصری سپاہیوں کی وضع و لباس سے اس قدر مانوس بنا دیا ہے کہ غالباً وہ ہماری فوج والوں پر حملہ نہ کریں گے۔ مگر پھر بھی جانور ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کا پنجہ آپ کے کسی بہادر پر پڑ جائے۔"

ابن طولون: "لیکن یہ وقت اس کا اندیشہ کرنے کا نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہی اُس نے اپنی فوج والوں کو لڈکار کے زور و شور سے حملہ کر دیا۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اور اس کا لشکر دشمنوں تک پہنچے وہ لگ شیروں سے ٹکست کھا کے بھاگ نکلے تھے اور شیروں نے اتنی دیر میں بہت سے ترکوں کو گرا کے پھاڑ ڈالا تھا۔ جو نہایت بدحواس تھے اور کسی ترک سپاہی کے ہوش و حواس درست نہ تھے۔ خود باغراں اس تماشے

کو کھڑا حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ یکایک زریق جو دس بارہ آدمیوں کو مار چکا تھا اسے چھاپ بیٹھا اور پنجنوں اور دانوں سے جھنجھوڑنے اور کاٹنے لگا۔ تمام ہلڑی سمجھے کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ اور سب کے سب اسے چھوڑ کر نہایت ہی بدحواسی کے ساتھ خوف و دہشت کی چیخیں مارتے ہوئے بھاگے۔

فارویہ اور ابن طولون جو اس مقام پر پہنچے جہاں شیروں نے بازار مرگ گم کر رکھا تھا تو زریق اپنے آقا کو پہچانتے ہی باغز کو چھوڑ کے اس کے قریب آیا اور قدموں پر لوٹنے اور دم ہلانے لگا۔ فارویہ اس کو چپکارنے اور ہلانے لگا مگر ابن طولون نے بڑھ کے اس کے شکار کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ خود باغز ہے۔ وہ دوہری زریق اور خود نہ پہنے ہوتا تو زندہ رہتا مجال تھا۔ مگر جب زریق نے گرایا تو اس نے اپنا منہ بھی ڈھال میں چھپایا اور شیر کے پنجہ جاں ستاں سے بچ گیا۔ مگر خوف اور دہشت سے غش آگیا تھا ابن طولون نے حکم دیا کہ باغز کو اٹھا کے میرے گھر میں لے جاؤ۔ اور لباس جنگ اور اسلحہ اتار کے ہوش میں لانے کی تدبیر کرو۔

اب فارویہ اور اس کے ملازم شیر پروروں نے اپنے شیروں کو بلا بلا کے باندھ لیا۔ فوج مصر نے مشعلوں کے ساتھ جبل مقطم کے دوروں تک مفرو رین کا تعاقب کیا اور اس کے بعد شہر میں واپس آئے۔

ابن طولون کو اس غیر متوقع فتح کی بڑی خوشی ہوئی اور بیٹے کا نہایت ہی شکر گزار تھا جس نے بالکل نئے اور زائل طریقے سے فسطاط کو دشمنوں کی دست برد سے بچایا۔ اپنے قصر شمع میں آکر دیکھا تو باغز کو ہوش آچکا تھا۔ مگر دل میں شیروں کی ہیبت اس قدر سماگئی تھی کہ آنکھوں پر دہشت برس رہی تھی۔ ابن طولون نے اس کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا۔ اور بیٹے کو اجازت دی کہ اپنے باغز میں جا کے شیروں کو بندھوائے اور اس کا رگزاری کے صلے میں ان کی اچھی خاطر داشت کرے۔

دوسری صبح کو ابن طولون نے جب دیکھا کہ باغز بحال اور مطمئن ہے۔ پوچھا بھلا اس ظالمانہ کارروائی اور یہودہ فوج کشی سے تم کو بجز ذلت کے کیا ملا؟

باسغر: ”واقعی یہ میری حماقت اور طمع کا انجام ہے۔ میں سخت نادوم ہوں۔ اپنے کیے پر
بچھتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔“

ابن طولون: ”وہ تو خدا کو بھلا کرنا تھا کہ عریض کے چند بدویوں نے ڈر کے مجھے خبر
کردی ورنہ تم میری غفلت میں آپہنچتے۔ اور میرے ساتھ وہی سلوک کرتے جو شانہزادگان
بنی عباس مند نشین خلافت اماموں اور بہت سے سرداران عرب کے ساتھ کر چکے
ہو؟“

باسغر: بجز ندامت سے آنکھیں نیچی کر لینے کے کچھ جواب نہ دے سکا اور ابن طولون
نے کہا سچ سچ بتاؤ جس طرح تم میرے ہاتھ میں امیر ہوئے ہو اسی طرح میں تمہارے
ہاتھ میں گرفتار ہوتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“
باسغر: یہ سوال مجھ سے نہ کیجئے۔“

ابن طولون: نہیں یہ سوال میں ضرور کروں گا اور تم کو اس کا جواب دینا ہو گا مگر میں اطمینان
دلاتا ہوں کہ تمہارے ساتھ وہ سلوک نہ کروں گا۔“

باسغر: اب آپ نہیں مانتے تو میں بتانے پر مجبور ہوں۔ میں یہ ارادہ کر کے آیا تھا کہ اگر
آپ کو زندہ اسیر کر سکا تو پہلے آپ کے ذریعے سے سارے فسطاط والوں کی دولت
میں جمع کراؤں گا۔ اور یہ کام لے لینے کے بعد آپ کو پابند بنجیرے جا کے اپنے دوست
وصعیف کے پاس حاضر کروں گا جن کی سفارش سے آپ کو حکومت مصر ملی۔ اور آپ
ان کے حکم سے باہر ہو گئے۔“

ابن طولون: میں بے شک وصیف کا احسان مندوں ہوں۔ مگر ان کے حکموں کی تعمیل
مجھ سے نہیں ہو سکتی جو رعایا پر ظلم و جور کرنے اور شرنا معززین کو آزار پہنچانے کے
متعلق ہوں۔“

باسغر: ہم لوگوں کو آپ سے شکایت ہے کہ ہم ہی نے آپ کا تقرر کرایا اور اس
بلند رتبے پر پہنچایا۔ اور آپ۔۔۔ بے باوجود تاکید حکموں کے نہ ابن مبرد کو چھوڑا اور
نہ منصور کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیجا جو وہاں سے خلافت کی نہایت قیمتی چیزیں

چرا لایا ہے۔

ابن طولون: "تمہاری یہی باتیں ہیں جنہوں نے مجھ کو تمہارے خلاف کر دیا۔ منصور پر یہ الزام ہے کہ وہ خزانہ خلافت سے کوئی چیز چرا لائے غلط ہے۔ وہ فقط وہی چیزیں لائے جو ان کو اپنے محترم بھائی امیر المومنین المنتصر باللہ سے ملیں۔ اور ان کو اختیار حاصل تھا کہ خزانہ خلافت کی جو چیز جس کو چاہیں دے دیں۔"

اصل یہ ہے کہ امام زمانہ دوازہم آل عباس المستعین باللہ جن کو تم نے سریر خلافت پر بٹھا کے جبراً اپنا غلام بنا لیا ہے وہ بھی نہیں چاہتے کہ اپنے اعزاء اقارب اور اپنے خاندان کے ہزاروں کو ستائیں اور آزار پہنچائیں مگر تم لوگ ان کے ہاتھ سے زبردستی ظلم کر رہے ہو اور ان کو بدنام کرتے ہو۔

باغز: خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب آپ بتائیے کہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟

ابن طولون: میرے اختیار میں ہے کہ جو چاہوں کروں۔ جو جو مظالم آل عباس پر تمہارے ہاتھ سے ہوئے ہیں ان کے عھا و فنی میں ممکن ہے کہ میں تمہیں قتل کراؤالوں مگر نہیں میں ایسا سنگ دل نہیں بننا چاہتا۔ مجھے پہلے تم یہ بتاؤ کہ مصر پر تم نے کس غرض سے حملہ کیا تھا؟

باغز: "ہم لوگوں کو روپیہ کی ضرورت ہے اور ناکہ یہاں بعض لوگ خصوصاً منصور اور عزیزہ مصر نہایت دولت مند تھے۔ فوج لے کے چلے آئے کہ تم کو زیر کر کے ان لوگوں سے دولت حاصل کریں۔"

ابن طولون: تم نے اپنے بد معاشوں کو بھیج کر شہزادی اور اس کے شوہر کے گھر کو لٹوایا جو چوروں کی طرح آ کے خلافت کے دامن عدالت میں دھبے لگا گئے اور غریب شہزادی کو کپڑے گتے جو نہایت ہی عالی خاندان نیک طبیعت اور پاک دامن عورت ہے۔

باغز: "مجھے اس کی نہیں خبر۔ اور نہ یہ جانتا ہوں کہ کن لوگوں نے یہ نالائق حرکت کی۔ ابن طولون: "بس معلوم ہو گیا کہ تم سچ نہیں بولتے۔ اور ابھی تک مکرو فریب سے دستبردار نہیں ہوئے یہ غیر ممکن ہے کہ شہزادی عزیزہ مصر کے قصر پر تمہارے سوا کوئی اور حملہ

کرتا۔ ابن مبرد یہاں سے بھاگ گیا۔ جس سے بڑا ملک حرام و محسن کشن ظالم دنیا کے پردے پر نہیں ہے۔ تم لوگ ہمیشہ دربار خلافت سے اس کی طرف داری کرایا کرتے رہے۔ اور میرے پاس احکام آتے رہے کہ اس کو تھپوڑ کر پھر اس کی قدیم خدمت مقرر کر دوں۔ جس کے معنی یہ تھے کہ پھر رعایا مصر کو اس ظالم کے پنجہ دستم میں دے دوں۔ جس کے معنی یہ تھے کہ پھر رعایا نے مسر کو۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے بھاگ کر وہ تمہارے پاس پہنچا۔ اور پھر ان پارادیموں سے جو شہزادی کے قسر میں تاخت و تاراج کی رات کو موجود تھے معلوم ہوا کہ خود ابن مبرد نے آ کے قصر کو لوٹا اور چوروں کی طرح بھاگ گیا۔ ایسی صورت میں مجھلا یہ ممکن ہے کہ تم کو ان واقعات کی خبر ہو۔
 باغریہ نہیں مجھے مطلق خبر نہیں ہے۔ اور نہ اس کی اطلاع ہے کہ شہزادی کے قسر میں محل کو ابن مبرد نے لوٹا۔

ابن طولون: میں نے جھوٹ باتوں کی طرف سے کان بہرے کر لیے ہیں تم لوگ مجھے فریب نہیں دے سکتے۔ اور تمہارے متعلق یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں کہ شہزادی عزیزہ مصر کو۔ اس کے شوہر شہزادہ منصور۔ ان کے قسر کے ان تمام لوگوں کو جنہیں ابن مبرد پکڑ لے گیا ہے۔ اور نیز ان کے قصر کے تمام سامان دولت کو تلوٹ سے گتے ہو بندرہ دن کے اندر حاضر کر دو ورنہ تم اور تمہارے رفقا جو اسیر کر لیے گئے ہیں بلا تامل قتل کر ڈاے جائیں گے۔ بس یہی آخری فیصلہ ہے۔ اور پندرہ دن کے بعد اس پر عمل ہو گا تمہارے اسیر شدہ ہمراہیوں میں سے پانچ آدمی تمہارے پاس بھیج دیے جائیں گے۔ اور تم کو آزادی ہے کہ ان کو میرے حکم کی تعمیل کے لیے جہاں چاہو بھیجو۔ ان کی روک ٹوک نہ کی جائے گی۔“

اب ابن طولون نے حکم دیا کہ باغریوں کے تیرہ تار قید خانے میں رکھا جائے اسیروں میں سے پانچ آدمی جن کو یہ خود بتائے اس کے پاس بھیج دیے جائیں۔ اور قید خانے کے گرد ایک ہزار ہوشیار اور بہادر آدمیوں کا پہرہ رہے۔ لوگ باغریوں کو لے چلے تو اس نے ہڈ خواہی کے متعلق پھر کچھ کہنا چاہا مگر ابن طولون نے کہا: میں

اس بارے میں اب کچھ نہ سنوں گا۔ بجز اس کے کہ میری خواہش پوری کی جائے شہزادی
 عزیزہ مصر پر تم نے ایسا ظلم نہیں کیا ہے کہ کسی کو تم پر ترس آئے۔
 لوگ فوراً باغز کو طوق و سلاسل پہنا کے لے گئے۔ اور ابن طولون اپنے معمولی مشاغل
 میں مصروف ہو گیا۔

مردم درمی کی سیر

ابن طولون کی فتح اور باغی گرفتاری کے دوسرے دن خارویہ اپنے باغ میں حوض میاب کے کنارے ایک کرسی پر نہایت ہی خوش و خرم اور شادان نہ فرماں بیٹھا ہوا ہے۔ برابر بائیں طرف اس کا چہیتا شیر زریق بیٹھا بلی کی طرح خنجر کر رہا ہے۔ اور اس کے پاس کئی لنگنوں میں پلاؤ رکھا ہوا ہے جس میں سے ایک پلیٹ میں نکال کے اس نے زریق کے آگے رکھ دیا۔ اور شیر پرورد دوسرے شیروں اور چیتوں کو نقرتی زنجیروں میں باندھ ہوئے فاصلے پر کھڑے ہیں انہیں حکم دیا گیا کہ باری باری اپنے شیروں کو لاکے پیش کریں۔ حکم ہوتے ہی خونخوار شیر کیے بعد دیگرے پیش کیے جانے لگے۔ وہ سب کے سر اور پیٹھ پر بخت سے ہاتھ پھیرتا اور پلاؤ کی ایک رکابی کھلا کے ان کو رخصت کر دیا جب سب شیر اور چیتے پیش ہو لیے تو اس نے شیر پرورد کو انعام دیا اور کہا "تم نے میرے شیروں کو بہت اچھی تعلیم دی ہے۔ اور تمہارا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ کل کے معرکے میں سواد شمنوں کے انہوں نے کسی اپنے پر حملہ نہیں کیا۔" سب نے قدردانی کا شکریہ ادا کر کے عرض کیا کہ یہ تو پہلا موقع تھا۔ آئندہ معرکوں میں حضور ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ کیسی انسانیت سے کام کرتے ہیں۔"

شیروں کو رخصت کر کے اس نے آواز دی "ہنا۔" فوراً دونو خیز رومی غلام کانوں میں گوشوارے اور جسم میں ارغوانی قبائیں پہنے آکر سامنے ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اور خارویہ نے پوچھا "جو لوگ مجھ سے ملنے کو آئے ہوں ان کو بلا لاؤ۔ غلام گئے اور دم بھر میں جمیل بن سان اور ابو حوقل حاضر ہوئے جمیل نے کئی ہینوں ہوئے ابو حوقل

کو خارویہ کے دربار میں باریاب کرادیا تھا جس کے بعد سے وہ دولت مند تاجر اکثر سلام کو آتا۔ اور اپنی وفاداری و جان نثاری کا یقین دلایا کرتا۔ ان دنوں کی صورت دیکھتے ہی زریقی چونکا ہوا ہو کے کھڑا ہو گیا۔ خارویہ نے فوراً اسے ڈانٹ کر اور تھپک کر روک دیا اور دونوں آنے والوں کی طرف متوجہ ہو کے کہا "تم نے میرے شیروں کا کمال دیکھا لوگ اعتراض کیا کرتے تھے کہ وحشی جانوروں میں شب دروز معروف رہنے سے کیا فائدہ مگر آج ان وفاداریے زبانوں کی کارگزاری سب نے دیکھ لی۔"

ابو حوقل: حضور نے یہ بالکل نیا کمال دکھایا کہ ان وحشی جانوروں سے عظیم الشان فوج کا کام لے لیا۔

خارویہ: اور کل کی فتح تو واقعی انہیں کی بدولت ہوئی۔ ترکی لشکر عراق بہت زبردست تھا۔ اور قریب تھا کہ مصر یوں کو شکست ہو جائے (جیل کی طرح متوجہ ہو کر) تم کہا کرتے ہو کہ انسان کو دوست بناؤ تو وہ بھی ایسی ہی وفاداری و جان نثاری کرے گا۔ مگر کل میں نے دیکھ لیا کہ باوا جان کے آدمی فسطاط کے ہر محلے میں پکارتے پھرتے تھے کہ اپنے شہر کو دشمنوں سے بچاؤ اور کوئی گھر سے نہ نکلتا تھا۔ اگر میں ایسی نازک گھڑی میں اپنے ان بہادرروں کو نہ چھوڑ دوں تو خدا جانے کیا شہر بپا ہو جاتا۔ ان کی کل کی کارگزاری دیکھ کر اب ان کی تیاری کے لیے میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ جتنے واجب القتل مجرم ہوں وہ بجائے اس کے کہ تلوار سے مارنے جائیں ان شیروں کا لقمہ بنا دیے جایا کریں۔ اور اب غالباً باوا جان بھی اس کو منظور کر لیں گے۔"

ابو حوقل: بے شک گھر بیٹھے شکار کا لطف آیا کرے گا۔ ابھی تو نہایت ہی بد مزگی سے مجرموں کی گردن ماری جاتی ہے۔"

خارویہ: "ہاں میں یہ کروں گا کہ ہر مجرم اس باغ میں لا کر رکھا جائے گا۔ اس کی زنجیریں کھول دی جائیں گی۔ اور دو چار روز خوب کھلا کے تیار کیا جائے گا۔ اس کو ڈھالی تلوار دی جائے گی تاکہ آزادی سے ان کی مشق کرے۔ پھر ایک روز میرے سامنے اس پر کوئی شیر چھوڑ دیا جائے گا۔ بکہ اس کارروائی کی ابتدا آج ہی سے ہوگی۔ میں نے کل کے ایران جنگ میں سے چار ترک منگوائے ہیں۔ وہ آجائیں تو اسی وقت تم میرے

شیروں کی شجاعت کا متاثر دیکھ لینا۔
 جمیل: تو کیا چاروں پر ایک ساتھ سب شیر چھوڑ دیے جائیں گے؟
 خارویہ: یہ نہیں۔ یوں تو میرے شیر آپس ہی میں لڑ کے زخمی ہو جائیں گے۔ ایک
 ایک پر ایک ایک شیر یکے بعد دیگرے چھوڑا جائے گا۔ اور جس شخص پر چھوڑا جائے
 گا اسے موقع دیا جائے گا کہ ڈھال تلوار لے کر آزادی سے مقابلہ کرے۔
 جمیل: "نہایت دلچسپ اور بہت شجاعانہ سیر و تفریح ہوگی۔ سنتا ہوں اگلے دنوں
 رومیوں میں بھی اس کا بہت رواج تھا۔"

خارویہ: "ہاں تھا۔ مگر وہاں جنگل کے پکڑے ہوئے وحشی شیر چھوڑے جاتے تھے
 اور یہاں تعلیم پائے ہوئے وحشی شیر ہوں گے جو حکم پر چلتے ہیں۔ اور کیسے ہی غصے
 میں بھرے ہوتے ہوں اشارہ پاتے ہی خون خواری سے رک جاتے ہیں۔ خیر
 اب یہ بتاؤ کہ کل کی لڑائی کیسی رہی۔"

جمیل: "بہت اچھی۔ مگر (دبی زبان سے) ہمارے مقصد کو اس سے نقصان
 پہنچا۔"

خارویہ: "تعب سے نقصان دشمنوں کی شکست سے تم کو نقصان پہنچا؟"
 جمیل: "یقیناً حضور کو شاید نہیں خبر ہے کہ باغریہاں زبردست شکرے کے کیوں
 آیا تھا؟"

خارویہ: "اس میں کون سی چھپی بات ہے۔ وہ آیا تھا کہ والد کو قتل یا کم از کم حکومت
 مصر سے معزول کر کے سارے قسطنطنیہ کو لوٹ لے۔ اور اس کے بعد کسی اور کو والی
 مصر مقرر کرے۔"

جمیل: "حضور کا فرمانا ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر اس میں جو امر ہمارے موافق تھا
 اس سے حضور نہیں آگاہ ہیں۔ باغریہاں ارادے سے آیا تھا اور دربار خلافت سے
 اس مضمون کا فرمان اپنے ساتھ لایا تھا کہ حضرت ابن طولون کو معزول کر کے آپ کو
 والی مصر مقرر کر دے جس کی ہمیں پہلے سے خبر دے دی گئی تھی۔"

خارویہ: (ذرا سوچ کر) مجھے اس کا یقین نہیں آتا جو شخص والد کا دشمن و بدخواہ ہو وہ میرا طرف دار کیسے ہو سکتا ہے؟

جمیل: یہ تو جب ہوتا جب لشکر عراق خود سے آتا۔ مگر یہاں تو یہ ساری کارروائی ہماری سوچی اور خود ہمارے ہاتھ کی کی ہوئی تھی۔

خارویہ: (نہایت حیرت و استعجاب سے) تو ان دشمنوں کو تم نے سازش کر کے بلوایا تھا۔ مگر مجھ سے اس کی امید رکھنا حماقت ہے کہ میں والد کے دشمنوں کو اپنا دوست اور خیرخواہ سمجھوں گا یہ غیر ممکن ہے کہ والد پر حملہ ہو اور میں اس کے روکنے کی کسی امکانی کوشش کو اٹھا رکھوں؟

جمیل: مگر حضور پہلے یہ تو سن لیں کہ میں نے اور میرے دوست ابو جعفر نے ابن مبرد کو درمیان میں ڈال کر بغداد کے صاحب اثر و ذمی شوکت سرداران ترک و صیغہ بقاء اور باغری سے کیا معاملت کی تھی۔

خارویہ: تمہاری کوئی کوشش چاہیے کتنے ہی میرے فائدے کے لیے ہو اگر والد کے خلاف ہے میں ہرگز اس میں تمہارا شریک نہیں ہو سکتا۔

جمیل: مگر ہم نے جو کچھ کیا ہے خیر خواہی کی راہ سے کیا ہے۔ اب حضور کو اختیار ہے کہ چاہیں تو اپنے والد کو اس کی اطلاع کر کے

ہم سب کو قتل کرانیں یا جان بخشی فرمائیں۔ مگر پہلے میری کارگزاری کو تمہارے ساتھ سن لیں پھر جو چاہیں کریں؟

خارویہ: (ناگواری کے ساتھ) اچھا بتاؤ کہ تم سے اور سرداران ترک سے کیا معاملت ہوئی تھی؟

جمیل: یہ معاملت کی تھی کہ دربار بغداد سے پہلے ابن مبرد کو تھوڑی سی مختصر فوج دی جائے جس کو لے کے وہ یہاں آئے اور پری جمال جو لیانا کے قصر پر ناگہاں شیخون بار کے اس شاہزادی اور اس کے شوہر کو پکڑ لے جائے۔ اس کے بعد باغریز بردنت لشکر کے ساتھ آکر فسطاط پر حملہ کر کے اور فتح یاب ہونے کے بعد ابن طولون کی جگہ

آپ کو حاکم مصر مقرر کر دے تاکہ وہ لوگ جو حضور کے والد کے طرف دار ہیں وہ بھی خوش رہیں اور ان کی بھی گو نہ دل دہی ہو جائے۔ اس طریقے سے انکو نافرمانیوں کی سزا مل جائے اور حضور کے تقرر سے ان کی اٹک شون بھی ہو جائے۔ بعد ازاں ابن مبرد منصور کو دیدیا بغداد کے حوالے کر دے جہاں وہ فوراً قتل کر ڈالا جائے۔ اور اس کے قتل ہوتے ہی جو یوانا کو میرے دوست ابو جوحل کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اس کو لا کے حضور کی جڑوں میں داخل کر دیں۔ اور انجام میں حضور اس خدمت کے معاوضے میں ابن مبرد کو معافی و خوشنودی کا خلعت دے کر عہدہ دار مال کی خدمت پر پھر سرفراز فرمادیں۔“

خارویہ: ”افوہ! تم نے چالاکی و دانائی کی حد کر دی۔ اور ایسی معقول صورت پیدا کی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔“

جمیل: حضور کو کیسے معلوم ہوتا میں نے اس معاملہ میں کچھ عرض ہی نہیں کیا۔ ہاں اتنی غلطی ہو گئی کہ حضور کو یہ نہ بتا دیا کہ باغی حضور کا دوست ہے دشمن نہیں۔ ابن مبرد اسی مقصد کے لیے شہزادی جو یوانا کو اس کے گھر میں گھس کر پکڑ لے گیا۔“

خارویہ: ”اور منصور کہاں ہیں؟“

جمیل: ”وہ بغداد میں وصیف کے حوالے کر دیے گئے جو تمام سرکش شہزادگان آل عباس کو قتل کر رہا ہے۔“

خارویہ: ”میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ میرے لیے تم اتنا برا ظلم کرو گے۔ اور نہ یہ بات میرے خیال میں تھی کہ میرے لیے تم والد کے دشمن بن جاؤ گے۔“

جمیل: ”میں تو حضور کے مقابل دین و دنیا میں کسی کا نہیں ہو سکتا۔ چاہیں اس وفاداری کے پاداش میں حضور مجھے قتل ہی کیوں نہیں کر ڈالیں۔“

خارویہ: ”واقعی تم نے قتل ہونے ہی کا کام کیلئے ہے۔ مگر خیر میں تمہارے ساتھ اتنی رعایت کر سکتا ہوں کہ تمہاری سازش اور تمہارے ارادوں کو والد پر ظاہر نہ ہونے دوں۔ اور اگرچہ عزیزہ مصر اور اس کے معزز شوہر پر میں ان ظلموں کو برداشت نہیں کر سکتا مگر تمہارا شکر گزار ہوں کہ میرے لیے تم نے ایسی ہولناک کارروائی کی جس کے خیال سے میں

بھی کانپ جاتا ہوں۔ خیر اب یہ تو بتاؤ کہ جو لیا نا کہاں ہے؟
 ابو حوقل: "وہ ابن مبرد کے پاس ہے جو غالباً عسقلان میں باغریکی والپسی کا انتظار کر
 رہا ہوگا۔"

خارویہ: "باغرتو والد کے ہاتھ میں اسیر ہے۔ اور والد نے قطعی طور پر کہہ دیا ہے کہ جیب
 تک عنزیزہ مصر منصور اور ان کا تمام لوٹا ہوا سامان واپس نہ آجائے گا۔ اس کو آزادی نہ
 ملے گی۔"

جمیل: مگر یہ امر تو باغری کے اختیار سے باہر ہے۔ اس لیے کہ اس کی گرفتاری کا حال سنتے ہی
 ابن مبرد بھاگ جائے گا۔ اور کسی کو پتہ نہ لگے گا کہ کہاں ہے اور جیب اس کا مناد شوارہ ہے
 تو عنزیزہ مصر کا منا بھی غیر ممکن سمجھئے۔ اس لیے کہ ابن مبرد کو عنزیزہ مصر سے ذاتی خصوصیت
 ہے۔"

خارویہ: "افسوس۔ پر ہی جمال شہزادی جو لیا نا پر ظلم ہوتے کا حال سننے سے میرا دل دکھتا
 ہے۔ میری تو تمنا ہے کہ اس کو اپنی محبوبہ و معشوقہ بنا کے پہلے سے زیادہ شان و شوکت سے
 رکھوں۔ تمہارا بڑا احسان ہوگا اگر اس کو کسی طرح ظالم و محسن کش ابن مبرد سے بچھین کے میرے
 آغوش شوق میں پہنچا دو۔"

ابو حوقل: اس کوشش میں حضور ہم اپنی جانیں لڑا دیں گے۔ مگر جب تک باغرتو چھوٹ
 جائے کامیاب ہونا محال ہے۔"

خارویہ: میں تو جو لیا نا کے شوقی دصال میں اپنے آملادہ ہو جاتا کہ باغری کے ایسے بد معاش و
 شریر دشمن کو چھوڑ دوں مگر یہ میرے امکان سے باہر ہے۔ والد اس کے معاملے میں نہ میری
 سنیں گے اور نہ مجھے ان سے کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔
 جمیل: اس کو میں نہ مانوں گا۔ حضور جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

خارویہ: والد کی سطوت و عظمت ایسی ہے کہ میں ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا
 تقریباً دس بارہ سال کی حکومت میں انہوں نے عظیم الشان لشکر تیار کر لیا ہے۔
 علماء و فضلا کو اپنی صحبت میں جمع کر کے سارے مسلمانوں کے دلوں اور تمام صاحبان علم

کوشید بنا لیا ہے۔ ایک لاکھ بیس ہزار دینار کے صرف سے عالی شان و عظیم المثال جامع مسجد تعمیر کر کے اور سیکڑوں طرح کی فیاضیاں کر کے سارے مسلمانوں کے دلوں میں جگہ پیدا کر لی ہے خزانہ دولت سے بھرا ہوا ہے۔ ان کے دس ہزار جنگ جو غلام ساری قلمروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور چوبیس ہزار غلام جلوس کے طور پر ان کے ہمراہ رہا کرتے ہیں۔ دس ہزار گھوڑے اور چھ ہزار خچر اصطل میں ہیں۔ اسی طرح دس ہزار اونٹ شتر قاتے ہیں ہیں۔ اور سوز بردست جہازوں کا بحری بیڑہ بحری مہموں کے لیے اسکندریہ کے ساحل پر نگر انداز رہا کرتا ہے۔ ایسے صاحب جبروت فرماں روا کی مخالفت یا اس کی مرضی کے خلاف مشورہ دینا میرے امکان میں نہیں۔“

جمیل: ”یہ بجا ہے کہ ان سے کہنے کا کچھ نتیجہ نہ ہو گا لیکن اگر حضور کی مرضی ہو اور حضور تھوڑی سی مدد دیں تو ہم کام نکال لیں۔“

یہ سن کر خار ویدیر تک فکر میں رہا۔ پھر کہا ”تم بتاؤ تو سہی کہ میں کس طرح مدد کر سکتا ہوں معلوم ہونے کے بعد کہوں گا کہ مجھ سے ہو سکے گا یا نہیں۔“

جمیل: کل کی فتح حضور کی قوت سے ہوئی ہے جس کو سارا شہر اور ہر سپاہی جانتا ہے۔

حضور ہمارے ساتھ چل کے باغراور تمام امیران جنگ کا معائنہ فرما کے واپس چلے آئیں۔ اور واپسی کے وقت محافظوں اور پہرے والوں سے کہتے آئیں کہ اپنے شیردوں کا راتب دینے اور ان کو شکار افگنی کی مشق کرانے کے لیے میں جمیل کی معرفت جن جن امیروں کو منگواؤں فوراً بھیج دینا۔ چند امیروں کو اسی غرض کے لیے حضور نے بلوایا جیسا ہے حضور کے تشریف لانے کے دوسرے روز میں جا کر میں باغراور چند اور امیروں کو حضور کے نام سے لے آؤں گا۔ اور اسی طرف سے لے کر مصر سے بھاگ جاؤں گا اس کے بعد اگر میرا قصور حضور کے والد نے معاف کر دیا تو جو بیانا کو لے کے اس آستان پر حاضر ہوں گا ورنہ ابو جوقل شہزادی کو حضور کی خدمت میں حاضر کر دیں گے۔ اور میں اس کا متوقع رہوں گا حضور کی سفارش سے میرا قصور کب معاف ہوتا ہے۔ اگر امیر ابن طولون بانہر کے متعلق حضور سے پوچھیں تو صرت فرما دیجئے گا کہ میرے شیردوں کا لقمہ ہو گیا۔ یا یہی فرما

دیکھے گا کہ میرا ملازم جمیل لے کر بھاگ گیا۔

خارویہ: ”مگر تم بھاگ کے کہاں جاؤ گے؟ سارا شام و عرب دریائے فرات کے کنارے تک والد کی قلمرو میں داخل ہے۔ جہاں ہو گے پکڑے جاؤ گے۔“

جمیل: بغداد میں چلا جاؤں گا۔ اور وہاں بھی اندلیشہ نظر آیا تو چند روز کے لیے کوہستان برجان میں ہو رہوں گا۔“

خارویہ: ”تم نے ایک صورت تو پیدا کر لی۔ مگر مجھے اس میں خطرے نظر آتے ہیں۔ خیر جو کچھ ہو۔ میں جو پانا کے شوق میں منظور کیے لیتا ہوں۔“

الواجب الخوئل: ”حضور یہ بڑے عقل مند ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں اس کی کوئی صورت پیدا ہی کر لیتے ہیں۔ میرے نزدیک انہیں تو زبردست سلطنت کا وزیر ہونا چاہیے۔ ہمارے امیر ابن طولون کا سارا ماقبل و فرزانہ امیر ہولودان کا سا وزیر۔ پھر حضور دیکھ لیں کہ چند ہی روز کے اندر کتنی بڑی دولت و سطوت قائم ہو جاتی ہے۔“

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ خارویہ کے غلام نے اُس کے عرض کیا کہ حضور نے جن ترک ایروں کو طلب کیا تھا حاضر ہیں۔“

خارویہ: رد و فور شوق سے اچھل کر ”اگئے! اچھا ان کو میرے سامنے حاضر کر دو۔“ دم بھر میں وہ ترک حاضر کر دیئے گئے جو نہایت ہی تو مزداور قوی ہیکل تھے۔ سر سے پاؤں تک طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور نظریں نیچی کیے کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر تک خارویہ ان کو دیکھتا رہا پھر پوچھا کیوں؟ تم نے میرے شیروں کو کیا پایا؟

ایک اسیر: ”رات کا وقت تھا۔ دن ہوتا تو ہم لوگ بتا دیتے کہ یہاں در شیروں سے کسی طرح لڑا کرتے ہیں۔“

خارویہ: ”اچھا تو اب اس وقت دن ہے۔ امتحان ہو جائے۔ پھر اپنے خادم سے کہا ان چاروں کو قسر کی پشت والے احاطے میں لے چلو۔ اور چاروں طرف سے دروازے بند کر کے ان کی زنجیریں کھول دو۔ ان کو چوڑے سیفے اور ڈھالیں دے دو۔ میں بھی چلتا ہوں۔ قسر کے کوٹھے پر سے ان کی شیر انگنی کا تاشا دیکھوں گا۔ اور وہیں آ کے

بتاؤں گا کہ کون کون سے چار شیران کے مقابلے پر چھوڑے جائیں۔“
جمیل: ”حضور اپنے محبوب شیرزری کو چھوڑیں۔ اس کی لڑائی دیکھنے کا مجھے بہت شوق ہے۔“

خارویہ: ”نہیں اس کا مقابلہ تو ان لوگوں کے سردار باغز سے ہوگا جو خلفاء و وزراء کے خون سے ہاتھ رنگ چکا ہے۔“

لوگ ان ترک امیروں کو احاطہ میں لے گئے۔ خارویہ اپنے دونوں رفیقوں جمیل اور ابو قتل کے ساتھ سب سے اونچے کمرے میں ایک قالین پر رونق افروز ہوا۔ اور شیر پروروں کو بلا کے حکم دیا کہ فلاں فلاں چار بے شیروں کو قہر کے اندر ایک کمرے میں لے جا کر رکھو۔ اور باری باری ایک ایک امیر کے مقابلے میں ایک ایک شیر کو چھوڑ دو۔

فورا اس حکم کی تعمیل شروع ہو گئی۔ شیر اور انسان کا مقابلہ کیا۔ مگر امیران ترک نے جان بچانے کے لیے بڑی شجاعت سے شیروں کا مقابلہ کیا۔ پہلے شخص پر جیسے ہی شیر جھپٹا اس نے اس کے پنجے کو ڈھال پر لیا اور سیفے کا زبردست ہاتھ شیر کے گلے پر مارا جس سے وحشی درندہ خون میں ہنا گیا۔ مگر چونکہ زخم کاری نہ تھا اپنے انسان حریف کو چھاپ بیٹھا۔ اور پنجوں سے سپر کو ہٹا کے گلہ منہ میں دبایا۔ جب تک انسان حریف بڑ پتار ہا وہ اس کا خون پتار ہا۔ پھر بے حس و حرکت لاش پر سے اٹھ کر ڈکارتے لگا۔ اور خارویہ نے کوٹھے پر سے جوش کے کلمات سے اس کی مردم درمی کی داد دی۔

دوسرا ترک تیر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر پہلے تو تلوار کھینچ کر بڑھا۔ مگر جب شیر قریب آ گیا تو مرغوب ہو کر کمال بدحواسی سے ڈھال تلوار کھینچ کے بھاگا۔ مگر شیر نے جھپٹ کر ایک تھپڑ مار کے گرا دیا۔ جس سے وہ زخمی ہو کر گرا۔ اور شیر انگ کھدایا۔ چدنٹ میں ترک اٹھا کہ چلے۔ دو چار قدم گیا تھا کہ شیر نے پھر حملہ کر دیا اور گرا دیا۔ کھوڑے دیر کے بعد وہ پھر اپنی جگہ سے رینگا۔ اور شیر نے پھر حملہ کر کے ڈھکیل کے تھپڑ سے گرا دیا۔ یونہی دیر تک کھلا کھلا کے شیر نے اسے مارا اور خون پی گیا۔

خارویہ: ”اس شیر کی لڑائی بڑے لطف کی ہے۔ اپنے شکار کو یہ خوب کھلا کے اور

اچھی طرح تھکا کے مارتا ہے۔ مزہ ایسے ہی شیر کی لٹائی میں آتا ہے۔
 شیر کے ترک کے مقابلے پر شیر چھوٹا تو اس سے دس گز کے فاصلے پر دیک کے
 بیٹھ گیا اور نشت باندھ کر چھٹنے کو تھا ترک بہادر نے خود ہی سبقت کر کے اس کی آنکھ
 پر تلوار کا ایک ایسا ہولانا مارا کہ شیر اچھل کے پیچھے گرا۔ ساتھ ہی ترک نے بھی جھپٹ کے تلوار
 کا ایک ایسا زبردست وار کیا کہ شیر کا ایک ہاتھ ٹک کے دور جاگرا۔ مگر اب شیر نہایت ہی غصہ
 کے ساتھ اس پر جھپٹ پڑا اپنے سے گرا کے اسے گرد برد کر دیا۔ اور چہرے پیٹھ۔ سر نیوں اور
 رانوں کا سارا گوشت نوچ لیا۔ مگر ترک نے بھی نیچے پڑے پڑے پتی تلوار شیر کے سینے
 میں پورست کر دی۔ اور ادھر شیر کے ناخن اس کے دل میں پورست ہو گئے جس کے بعد
 انا نانا شیر نے گرج کے ساتھ اور بہادر ترک نے ایک چیخ مار کے جان دے دی۔
 یہ لٹائی خارویہ کو نہایت ہی خار گزری۔ افسوس کر کے کہنے لگا۔ "اس ترک نے بے شک
 بڑی بہادری دکھائی۔ مگر مجھے اپنے شیر کے مارے جانے کا بڑا افسوس ہے۔ پھر کہنے لگا
 "ایسا شیر بہت کم دیکھا گیا ہے۔ آنکھ مچھوٹ گئی زخم پر زخم کھائے مگر لٹائی سے قدم نہ ہٹایا
 اور شیر ہوتا چیخ کے بھاگ جاتا۔"

اب آخری جوڑی میدان میں آئی یہ ترک میدان میں آتے وقت تو دہشت سے کانپ
 رہا تھا۔ مگر جب شیر نے اس کے سامنے آکر انگری لٹی تو دل مضبوط کر کے مقابلے کو تیار
 ہو گیا اور بڑھا کہ اپنے سے پہلے بہادر ترک کی طرح شیر کی آنکھ مچھوڑ دے۔ مگر شیر نے
 تلوار دونوں پنجوں سے پکڑ کر چھین لی اور اس پر چڑھ بیٹھا۔ ترک نے شیر کے پہنچنے سے
 پہلے ہی ڈھال اپنے اوپر کر لی۔ اور سارا جسم سمیٹ کر اس کے نیچے چھپ گیا۔ شیر نے پیر کو
 پنجوں سے بہت کچھ جھنجھوڑا مگر ناخن کارگر نہ ہوئے۔ آخر تھک کر ہٹ گیا۔ مگر ترک
 کو پیر کے نیچے سے نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور شیر الگ بیٹھا ہوا غرارہا تھا۔ شیر پردوں
 نے خارویہ کے اشارے سے اسے لکارا تو پھر جھپٹا اور ایک طرف سے پیر کے اندر
 پنجہ ڈال کر ترک کو باہر کھینچ لیا۔ اب ترک خوف و دہشت سے روتا اور چیخیں مار رہا
 تھا۔ اور شیر دانتوں اور پنجوں سے اس کو چیر پھاڑ رہا تھا۔ یہ دہشت ناک ہنگامہ اس

وقت تک پارہا جیتک کہ شیر نے ترک کے گلے کو دانتوں سے چھید کر خون نہیں پی لیا اور
لاش ٹھنڈی نہ ہو گئی۔“

خارویر: (بلند آواز سے) شاباش! اس سے پہلی لڑائی نے مجھے ملول کر دیا تھا مگر میرے
بہادر شیر صاعقہ (یہ اس شیر کا نام تھا) نے خوش کر دیا۔ خیر اب شیروں کو کھڑوں میں بند
کر کے ان ترکوں کی کلیجیاں نکال کے انہیں کھلا دو۔“

شریف باپ اور شہر پدیا

اس کے دوسرے روز خارویہ اپنے مکار و بد نفس مصائب جمیل کو ساتھ لے کر اپنے شریف النفس باپ ابن طولون کے پاس گیا۔ آفتاب کو نکلے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ اور ابن طولون معمول کے مطابق دربار میں برآمد ہونے کو تھا قصر حکمرانی کے بیرونی صحن میں پہلے پھاٹک سے داخل ہوتے ہی دو ہزار دیو صورت عیشی غلام نظر آئے جو زر و حریر کے کرتوں پر آسمانی صدفیں پہنے ہوئے کھڑے سفید کلاہوں کے اوپر ارغوانی عمامے سر پر باندھے۔ اور آبدار وزنی گرز کندھوں سے لگاتے دونوں جانب صفیں باندھے کھڑے تھے۔

دونوں ان صدفیوں کے درمیان سے گزر کر دوسرے پھاٹک پر پہنچے تو دورویہ دو ہزار نو عمر قیامت خرام خوش رود گل اندام رومی و فرنگی غلاموں کی صفیں نظر آئیں۔ پرسیوش و جور شمال غلام برق دیش نیچے علم کیے کھڑے تھے۔ سرخ اطلس کے کرتے اور نیلے پانچامے پہنے تھے کرتوں کے اوپر ہنری صدفیں اور سروں پر زرد رنگ کے ریشمی بانگے شلے۔ ان کے کانوں میں موتیوں کے آذیرے تھے۔ اور گلوں میں سونے کی ہیکلیں۔ ان کی صفوں کو دیکھ کر ایک عجیب طلسمی عالم نظر کے سامنے ہو جاتا۔ اور معلوم ہوتا کہ ابن طولون کی خوشس اعتقاد می دیر ہیزگاری سے خوش ہو کر خدا نے اس کی خدمت کو حنیت کے غلامان کو بھیج دیے ہیں۔

ان پر ہی جمالوں کی صفوں میں سے گزر کے خارویہ اور جمیل اس اندرونی دروازے پر پہنچے جس کے داہنے جانب ابن طولون کا دیوان خانہ تھا اسی میں وہ روز و ربار کیا کرتا اور بائیں

جانب امرا اور عہدہ داروں کے ٹھہرنے کا مقام تھا۔ ڈیوڑھی کے اندر سے صلوت گاہ خاص آراستہ کیا گیا تھا۔ اور اسی سے ملی ہوئی تنائی حرم سرا تھی۔ چند شعراء مخصوص امرا اور بہت سے نقیب و چوب دار اسی ڈیوڑھی میں احکام شہر پارسی کے منتظر کھڑے رہا کرتے تھے۔ خارویہ نے جمیل کو یہیں ٹھہرا دیا اور خود اندر داخل ہوا۔ خواجہ سرانے دوڑ کر ابن طولون کو خبر کی۔ اور ساتھ ہی وہ خود پہنچ کر صاحب تخت و تاج باپ کے سامنے سلام کے لیے جھکا۔ ذی وقار حاکم مصر نے حسب سنت اسلام سلام کا جواب دے کر بیٹے کو اپنے برابر بٹھایا اور ہنس کے پوچھا "کہو تمہارے بہادر وحشی جنگ جو خیریت سے ہیں؟"

خارویہ: (نظر نیچی کر کے) "جی ہاں اچھے ہیں۔ مگر کل کے معرکے نے ان کا جوش و خروش اس قدر بڑھا دیا ہے کہ جب تک کسی زندہ ذی روح کا خون نہ پی لیں قرار نہیں لیتے۔ اور اصل میں وہ آدمیوں کے شکار اور انسانی خون کو مانگ رہے ہیں۔"

ابن طولون: "یہ تو مشکل ہے۔ انسان کا خون بغیر ظلم کیے نہیں میر ہو سکتا۔"

خارویہ: "مگر بغیر اس کے شیر میدان جنگ کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔"

ابن طولون: آخر تم نے ان کو کیوں کر تیار کیا؟ بیٹا مجھے تم سے ایسی سنگ دلی کی تو امید نہیں ہے کہ انسان کا خون پلا پلا کر انہیں تیار کیا ہو۔"

خارویہ: "کل سے پہلے تو میں نے کبھی ان کو کسی انسان پر نہیں چھوڑا تھا۔ مگر اب ضرورت پیش آگئی کہ معرکہ آرائی کے لیے وہ باقاعدہ طور پر تیار کیے جائیں۔"

ابن طولون: "ایسا ہے تو میں ان وحشی درندوں کا لشکر نہیں چاہتا۔ ہم مصر و شام پر انسانوں کی جانیں بچانے کے لیے حکومت کر رہے ہیں نہ ان کی جانیں لینے کو۔"

اس کے جواب میں خارویہ نے دل کو مشبوط کر کے اور اسی جرات سے کام سے کر جیسے کہ کبھی اس سے باپ کے سامنے نہیں ہو سکی تھی کہا۔ مگر انسان ہی کے بچانے کے لیے انسان کو قتل کرنا پڑتا ہے۔"

ابن طولون: بے شک قتل کرنا پڑتا ہے۔ مگر جانوروں کا پیٹ بھرنے کے لیے آدمی کو قتل کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔"

خارویہ: "خیر تو ایک صورت میرے ذہن میں آتی ہے جس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں نظر آتا۔"

ابن طولون: وہ کون سی صورت ہے؟

خارویہ: سلطنت میں اکثر مجرم واجب القتل ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر بعضی سر کاٹنے کے اگر اس طرح سے قصاص جاری کیا جائے کہ شیروں کے آگے ڈال دیے جائیں تو کیا برائی ہے۔ علیٰ ہذا لقیاس جن اسیران جنگ کو قتل کرنا منظور ہو وہ میرے شیروں کے آگے کیوں نہ ڈال دیے جائیں۔"

ابن طولون: (ذرا غرض کر کے) یہ بالکل غیر مستحسن و غیر مسنون اور کم از کم مبتدع طریقہ قتل ہے۔"

خارویہ: مگر میں نے تو یہ جائز خیال کرنے کے ترک اسیروں میں سے چار کو آج اپنے شیروں کی نظر کر دیا۔"

ابن طولون: "اپنے اس ظالمانہ تفتقہ کو چھوڑ دو۔ آج تم نے ایسا کیا تو غلطی کی اور آئندہ ہرگز ایسا نہ ہونا چاہیے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ رومیوں کی قدیم ظالمانہ سنت کو پھر زندہ کر دو۔"

خارویہ: "مگر چند روز کے لیے یا کم از کم ان اسیر ترکوں کی حد تک تو مجھے اس کی اجازت دے دیجئے۔"

یہ سن کر ابن طولون دیر تک سر نیچے جھکائے رہا پھر سر اٹھا کے بولا میں اپنی طرف سے تو اس کی اجازت نہ دوں گا اور نہ بڑا تمہارے لیے بھی۔ میں ایسے ظالمانہ مشغلے کو پسند کرتا ہوں۔ مگر یہ لڑائی جس میں ہم کو فتح کی طرف سے قطعی یاس ہو گئی تھی محض تمہارے شیروں نے فتح کی ہے۔ اس لیے دراصل یہ تمہاری اور تمہارے شیروں کی کارگزاری ہے۔ اور اس کے اسیروں کے بھی مالک و مختار تم ہی ہو۔ اپنے اختیار سے تم ان کے ساتھ جو سلوک چاہو کر سکتے ہو میں تعرض نہ کروں گا۔ لیکن پھر ایک بار سمجھا دیتا ہوں کہ یہ اچھا مشغلہ نہیں ہے۔"

اس عنایت کے شکر یہی خارویہ نے جھک کر باپ کا ہاتھ چوم لیا اور نہایت

ادب کے ساتھ کہا "تو اتنی عنایت اور ہو کہ جن مجالس میں ترکی امیر ہیں ان کے داروغہ کے نام فرمان جاری ہو جائے کہ میں جن اسیروں کو بلواؤں فوراً میرے پاس بھیج دیے جائیں۔"

ابن طولون نے بیٹے کی یہ درخواست قبول کی اور اسی وقت حکم لکھ کر ایک سوار کے ہاتھ ہستان مجالس کے پاس بھیج دیا۔ اور یہ حکم بھیج کر کہا "ان قیدیوں پر سختی کرنے سے بہتر یہ ہوتا کہ جس طرح تم نے بہادری سے ترکوں کو شکست دی ہے اسی طرح اپنی خوش تدبیری سے شہزادی عزیزہ مسر اور اس کے شوہر کو ان سنگدل ظالموں کے پنجے بستم سے چھڑاتے۔"

خارویہ: "میں اس کی پوری کوشش کروں گا۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

ابن طولون: "میں سمجھتا ہوں کہ اگر باغریہ سختی کی گئی تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

خارویہ: "یہ تدبیر بھی کروں گا۔" اس کے بعد خارویہ باپ سے رخصت ہو کر باہر نکلا اور ڈیڑھی پڑھیل کو ساتھ لے کر ان عمارتوں کی راہ لی جن میں ترک رکھے گئے تھے۔ ابن طولون کا حکم پہلے ہی پہنچ چکا تھا داروغہ مجالس بڑے مجلس کے پھاٹک پر حاضر تھا۔ ادب سے سلام کیا اور اس کو اندر لے جانے کے ان سب ترکوں کے سامنے کھڑا کر دیا خارویہ نے ان لوگوں سے بھی اپنے شیروں کی شجاعت و کارگزاری کی داد چاہی اور کہا "یہ نہ سمجھو کہ میرے شیروں کے پنجے سے تم آزاد ہو گئے۔ تم سب کو میں اپنے بہادر جانوروں کی غذا بناؤں گا۔" پھر باغریہ سے کہا "تم اس نمک حرام شکر خلافت کے سردار ہو تم کو میرے بہادر شیر زریق سے مقابلہ کرنا ہو گا۔ اور اگر اس سے پنجا چاہتے ہو تو جس طرح بنے شہزادی عزیزہ مسر کو لا کے حاضر کرو۔ یا وعدہ کرو کہ کتنے دنوں کے اندر وہ آجائیں گی۔" اور قبل اس کے کہ باغریہ کچھ جواب سنے قید خانے سے نکل آیا دروازے پر ذرا ٹھہر کے داروغہ سے کہا "دیکھو! یہ میرے معتمد علیہ سردار جمیل ہیں ان کو پہچان لو۔ ان کو بھیج کر میں جن جن اسیروں کو بلواؤں فوراً بے عذر بھیج دینا۔"

داروغہ نے اطاعت کا وعدہ کیا اور خارویہ جمیل کو ساتھ لے کر اپنے باغ میں آیا اتنے ہی پہلے زریق کی پیٹھ ہلائی جو قدموں پر لوٹنے لگا۔ پھر سیاب کے دریا میں ہوائی کشتی پر سوار ہو کے جھولنے لگا۔

قتل الموزی قبل الایذا

شام کے عسقلان میں آبادی سے جدا عین ساحل پر ایک خمیہ نصب ہے اور اس کے سامنے ایک دمشقی قالین بچھا ہوا ہے جس پر شری النفس ابن مبرد بیٹھا ناپید اکنار سمندر کی بھر کر رہا ہے۔ فسطاط کا دولت مند تاجر ابوالموقل و میاطی اس کے برابر بیٹھا ہے جو کل ہی یہاں آکر اس سے ملا ہے۔ اور اس وقت دونوں کو موقع ملا ہے کہ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں پچنانچہ ابن مبرد نے کہا۔ ہاں اب آپ فسطاط کے وہ حالات بیان کریں۔“

ابوالموقل: ”سب سے پہلے تو میں آپ کی داد دیتا ہوں کہ نہایت ہی ہوشیاری اور کمال شجاعت سے عزیزۃ مصر کو پکڑ لائے۔“

ابن مبرد: ”بے شک مجھے اس میں پوری کامیابی ہوئی اور اس کا سبب یہ تھا کہ میں نے نہایت ہی رازداری سے کام لیا۔ اور جس وقت تک قاہرہ میں جو لیانا کے قصر میں پہنچ گیا ہوں بجز آپ کے اور میرے دوست جمیل کے کسی آدمی کو کالوں کان خبر نہ ہونے پائی مگر فسوس ہے کہ باغز کو کامیابی نہ ہوئی۔ ان کا بہترین لشکر تباہ ہو گیا اور خود بھی مکار و ریاکار والی مصر کے ہاتھ میں اسیر ہو گئے۔“

ابوالموقل: ”یہ خونخوار منظر تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھے چلا آتا ہوں۔ باغز کی فتح میں ذرا بھی شک نہ تھا اور مصری لشکر پیچھے دکھانے ہی کو تھا مگر کس کو خبر تھی کہ خار دیہ کے شیر یہ آڈت جوت دیں گے۔ مجھے اور جمیل کو ذرا بھی اس کا وہم و گمان ہوتا تو ہم اس کا بندوبست کر لیتے۔“

ابن میرد: "ہاں خارویہ تو ہمارے موافق تھے"

ابو الحوقل: "بے شک مگر انہیں کیا خبر تھی کہ باغران کی طرف داری اور خاص ان کے نفع کے لیے حملہ آور ہوئے ہیں۔ کاش اس انجام کی طرف ہمارا ذرا بھی خیال جاتا اور ہم ان کو تمام حالات سے آگاہ کر دیتے"

ابن میرد: جب وہ ہمارے دوست ہیں تو ان کو سب حالات پہلے سے کیوں نہ بتا دے"

ابو الحوقل: "باوجود دوست ہونے کے وہ اپنے باپ کے اس قدر بھی خواہ ہیں اور ان سے اتنا ڈرتے ہیں کہ ہمیں ان پر لپڑا بھروسہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ ہم اپنے رازوں کو ان سے ہمیشہ مخفی رکھا کرتے ہیں"

ابن میرد: "تو پھر باغران کے چھوٹے کی امید ہے یا نہیں"

ابو الحوقل: "یہ انتظام تو ہو گیا بلکہ وہ اب آتے ہی ہوں گے"

ابن میرد: "یہ کیونکر"

ابو الحوقل: "جیل کو اس کوشش میں بڑی محنت کرنا پڑی۔ بلکہ انہوں نے خود اپنی ذات کو خطرے میں ڈال دیا۔ اپنی ساری کارروائی خارویہ پر آشکارا کر دی۔ انہیں باور کرایا کہ یہ سب فقط اس لیے کیا گیا ہے کہ عزیزہ مصر آپ کی آغوش میں پہنچائی جلتے۔ اور ابن طولون کو ہٹانے کے آپ والی مصر بناتے جائیں"

ابن میرد: (چونک کر) یہ بھی کہہ دیا اور وہ راضی بھی ہو گئے!

ابو الحوقل: "زبان سے تو اقرار نہیں کیا بلکہ دل میں ضرور راضی ہیں۔ اور راضی نہ ہوتے تو یہ کیوں کرتے کہ باپ سے زبردستی اجازت حاصل کی جن جن اسیروں کو چاہیں بلوایا ان پر اپنے شیروں کو چھوڑ دیں"

ابن میرد: "ایں! یہ تو ہمارے ساتھ دشمنی ہوئی"

ابو الحوقل: "اگر ایسی دشمنی نہ کرتے تو ابن طولون سے کام نکالنا غیر ممکن تھا۔ بیشک دوچار ترکوں کو اس طریقے سے انہوں نے قتل کر ڈالا۔ مگر یہ بھی کیا کہ جیل نے

ان کے نام سے جا کر باغز کو قید خانے سے نکالا۔ اور شیروں کا تقریباً نصف کے
بہانے ان کو بھگا دیا۔

ابن مبرور: "تو باغز چھوٹ کر بھاگ آئے۔ واقعی یہ بڑا مشکل کام تھا۔ مگر اس کے
بعد سے جمیل اس قابل نہ رہیں گے کہ اپنے آقا فارویہ کو مزہ دکھائیں۔
ابوالحوقل: "جی نہیں۔ ان سے کہہ کر یہ کارروائی کی ہے۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ابن طولون
ناراض ہوں تو کہہ دیجئے گا کہ جمیل باغز کو لے کر بھاگ گیا اور اس نے مجھے دعا دی۔"
ابن مبرور: تو جمیل اور فارویہ نے بڑی جرات کا کام کیا۔ اور ہمیں ان کا شکر گزار
ہونا چاہیے۔ خیر تو اب باغز کہاں ہیں؟"

ابوالحوقل: بعضی کے راستے سے آنے میں اندیشہ تھا کہ شاید ابن طولون کے لوگ تعاقب
کر کے پکڑ لیں۔ اس لیے میں اور جمیل باغز کو ایک کشتی میں بٹھا کر درمیاط میں لے آئے وہاں
میں ان دونوں کو اپنے ایک گھر میں چھپا آیا ہوں قاہرہ میں ان کے بھاگنے سے جو شورش
مچ گئی اور ہر طرف ڈھنڈور پڑی ہوئی ہے اس کا ہنگامہ ذرا کم ہو تو جمیل ان کو جہاز میں
سوار کر کے سمندر کے راستے سے یہاں لے آئیں۔ جہاز کا بندوبست میں نے کر دیا ہے
اس لیے کہ ایک جہاز فسطاط سے میری روٹی لارہا ہے۔ اس میں وہ بخوبی چھپ کر چلے
آئیں گے۔ اور دیکھئے سامنے وہ جہاز آ رہا ہے کیا عجیب کہ اسی میں ہوں میں خفگی کی
راہ سے اونٹ پر آیا ہوں۔ اور وہ جہاز میرے روانہ ہونے کے دو چار روز بعد
چلا ہوگا۔ لہذا اس کو اب تک پہنچ جانا چاہیے۔"

ابن مبرور نے اس کارروائی کی داد دی۔ اور دونوں شوق کی نگاہوں سے اس
جہاز کو دیکھنے لگے جو ساحل کے پاس پاس پالوں اور ہوا کی مدد سے نہایت خاموشی
کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھتا آتا تھا۔ آخر نظر بازی سے اکتا کے ابن مبرور نے کہا
انتظار بڑی تکلیف کی چیز ہے۔"

ابوالحوقل: مگر شوق اس تکلیف میں لطف پیدا کر دیتا ہے۔ اور ہاں یہ تو بتائیے کہ
نہزادی عزیزہ مہر کہاں ہیں؟"

ابن میرد، وہ بھی ہمیں موجود ہے۔ اس کو شہزادی نہ کہو۔ بڑی بد مزاج چڑچڑی اور دریدہ دہن عورت ہے۔ اور الحمد للہ کہ اب میری لونڈی ہے مگر جیسی کبھی وہ میری بد مزاج بے رحم مالک تھی ویسا ہی اب میں اس کا بد مزاج دقسی القلب آقا ہوں۔ عسقلان کی آبادی میں میرا ایک مکان ہے۔ اس میں اپنے اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ میں نے اس کو بھی رکھ دیا ہے۔ اور دوسرے لونڈی غلاموں کو تاکید کر دی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کو ستائیں۔

ابوالحوقل: "مگر اس کے ساتھ ایسی بے رحمی نہ کرنی چاہیے"

ابن میرد: "ضرور کرنی چاہیے۔ وہ بڑی بد مزاج و بے حمیت عورت ہے جس کی سزا یہی ہے کہ دن رات ستائی جائے۔ آپ صاحبوں کی اس کارروائی میں فقط یہی بات مجھے ناگوار ہے کہ مجھے اس کو فارویہ کے محل میں پہنچانا پڑے گا جو پھر اس کو شہزادی اور ایک معزز ملک بنا دے گا۔ مگر مجھ پر جبری ہے۔ دل پر جبر و ستم کر کے اس کو گورا کروں گا"

ابوالحوقل: "اس کے شوہر کا بھی کچھ پتہ لگاؤ"

ابن میرد: "اس کم نبت کا کہیں پتہ نہیں۔ خدا جانے کیسے نکل گیا۔ اور کہاں چلا گیا۔ وہ بھی مل جاتا تو پھر مجھے ان دونوں متکبر میاں بیویوں سے بدلہ لینے اور انہیں بھی

اپنا سا مظلوم غلام بنانے کا مزہ ملتا مگر افسوس وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا"

اب جہاز قریب آ گیا۔ اور ابوالحوقل نے پہچان کر کہا "ہاں ہاں! وہی روٹی کا جہاز ہے"۔ رومال ہلا کر اشارہ کیا جس کے جواب میں نا خدا نے بھی تھنڈی ہلائی اور اس کے عین مقابل پہنچ کر ننگڑ ڈال دیا۔ جہاز ساحل سے تقریباً دو نہر گز کی مسافت پر تھا۔ پھلی والوں کی دو ایک کشتیاں ساحل پر کھڑی تھیں ان میں سے ایک پر سوار ہو کر ابن میرد اور ابوالحوقل گئے۔ بیڑھی کی مدد سے ان پر چڑھے اور بانگراؤں جھیل سے مل کر بہت ہی خوش ہوئے۔ ان کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا کے کنارے پر لائے۔ اتنی دیر میں اور کئی کشتیاں بھی پہنچ گئی تھیں۔ جن کے ذریعے سے چند اور تاجر اور سیاح اتر کے کنارے پر آئے۔ اور ساحل پر اس جہاز کے دیکھنے اور جہاز والوں سے ملنے کے لیے عسقلان والوں کی بھڑ لگ گئی۔

اب پھر خیمے کے آگے ابن مبرد اور ابو الحوقل کی صحبت جم گئی جس میں اب ان کے دوست باغراؤز جمیل بھی شریک تھے۔ صاحب سلامت۔ خیر مقدم اور مزاج پر سی کی رہیں جہاں ہی پر پوری ہو چکی تھیں۔ یہاں بیٹھے ہی اصل معاملہ میں گفتگو ہونے لگی۔ پہلے سب نے جمیل کا شکر یہ ادا کیا کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس نے باغراؤز کو ابن طولون کے ایسے بیدار مغزو ہوشیار دشمن کی قید سے چھڑایا۔

جمیل: میں تو اپنے آقا کا ونا دار قادم ہوں۔ محض ان کی آرزو پوری کرنے اور اہمٹی حکومت مصر دلوانے کے جوش میں نے یہ کارروائی کی ہے۔ ان کی دلی تمنا پوری کرنے کی دھن میں میں اپنے نیک و بد کو بھی بھول گیا۔

ابن مبرد: "آپ نے چاہے جس مقصد سے یہ کام کیے ہوں مگر ہم لوگوں پر احسان کیا۔ پہلے مجھے آزادی دلوائی اور پھر میرے معزز و محترم دوست باغراؤز کو قید سے چھڑایا ان کے بغیر خلافت بغداد میں خدا جانتے کیا کیا خرابیاں پیدا ہو جاتیں؟"

یہ کہہ کر اپنے غلام کا فوراً آزادی۔ اور جیسے ہی وہ لبیک کہتا ہوا خیمہ سے نکلا حکم دیا کہ "میرے یہ احباب بڑا بھاری خطرناک سفر کیے ہوئے آ رہے ہیں تو سنئے ان کے لیے نبذ یا شربت کا بھی بند و لبت نہیں کیا؛ با فوراً بہت اچھی تند نبذ کا ایک گھڑا اور جام و صراحی لے آئے" غلام حکم کی تعمیل کے لیے واپس گیا۔ اور جمیل نے نہایت متین صورت بنا کر کہا "خیر اب مجھے سب سے پہلے یہ بتائیے کہ اس کے بعد کیا کارروائی ہوگی؟ اور ابو الحوقل عزیزہ مصر کو لے کر کب فسطاط میں واپس جائیں گے؟"

ابن مبرد: (مسکرا کر) "جب آپ کا قصور معاف ہوئے اور میں مصر کا حاکم مال منقر ہو جاؤں۔ تب ہم سب ساتھ ہی چلیں گے اور آزادی و شوکت کے ساتھ سواد فسطاط میں داخل ہوں گے۔"

جمیل: "یہ نہیں ہو سکتا۔ جب فہزادی اپنے عاشق خارویہ کے آغوش شوق میں پہنچ لیں گی تب آپ کا تقرر ہوگا۔ اور اسی وقت میرا بھی قصور معاف ہوگا۔"

ابو الحوقل: اس سے پہلے سے غور ہو جانا چاہیے کہ پہلے کون سی کارروائی کی جائے۔"

یا غر: میرے نزدیک تو مناسب یہ ہے کہ ہم سب فوراً بغداد کی راہ لیں۔ یہاں سے
 ابن طولون کی حکومت ہے اگر ہماری کوئی کارروائی کھل گئی یا کسی کو ہمارا نام بھی معلوم
 ہو گیا تو حاکم شہر ہم سب کو پکڑ کے اس کے پاس بھیج دے گا۔ لہذا کافور کو لونڈی
 غلاموں اور امیروں کے ساتھ یہاں چھوڑ دو جو بالکل مخفی طور پر ایک بردہ فروش
 تاجر کے کارندے کی طرح یہاں رہے اور ہم بغداد چلے چلیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد پہلے
 میں یہ کارروائی کروں گا کہ ابن مبرد کو ایک زبردست فوج کے ساتھ بھیجوں گا کہ جس خوبی
 سے یہ شہزادی عزیزہ مصر کو اسیر کر لائے تھے دوبارہ جا کے والی مصر ابن طولون کو بھی اسیر
 کر لائیں۔ بعد ازاں امیر المؤمنین کا بہری فرمان جاری ہو کہ فاروق مصر کے والی اور ابن مبرد
 حاکم مال مقرر کیے گئے۔ اور جس روز فاروق یہ سند و ولایت پر بیٹھیں اسی روز عزیزہ مصر کو
 جمیل اور ابوالحوقل لے جا کے ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔“

اب بندہ آگئی۔ اور اس کے چھکتے ہوئے جام گردش کرنے لگے۔ جمیل جو دو
 جام تند پی چکا تھا بولا: میں تو چاہتا ہوں کہ شہزادی یہیں سے ان کے پاس پہنچادی
 جائیں۔ مگر سب حریفان صحبت نے اس سے اختلاف اور باغز کی تجویز سے اتفاق کیا۔
 نشہ صہیا تندیوں پر تھا۔ اور صحبت کی گرم جوشی بڑھتی جاتی تھی کہ ابوالحوقل نے اپنے
 ایک خادم کو جو جہاز سے اتر کے آیا تھا حکم دیا کہ روٹی کو ساحل پر اتار کے ڈھیر کر دیں
 کے تیار ساحل ہی پر آ کے خرید لیں گے۔ دو ایک آدمیوں کو شہر میں بھیج کر یہ بھی دریافت
 کر لو کہ یہاں روٹی کا کیا نرخ ہے۔“

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ناگہاں دو شخص قریب آئے۔ جن میں سے ایک نے
 جھپٹ کے اپنی لمبی اور سیدھی رومی تنوار سے جمیل پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابن مبرد
 پر اور جب تک کوئی شخص قریب آ کے بچانے کا ارادہ کرے تا بڑ توڑ اتنے داریے
 کہ دونوں کو زمین پر بہوش کر دیا۔ ابوالحوقل تا جراومی تھا وہ تو یہ خوزری کا سان دیکھ
 کے بدحواس بھاگا اور خیمے کے اندر چھپ گیا۔ مگر باغراور ابن مبرد کے غلام نے آ کر ان
 لوگوں کو روکا اور جب دیکھا کہ وہ لوگ دونوں زخمیوں کی جان ہی لینا چاہتے ہیں تو ان

سے مقابلہ شروع کر دیا ان لوگوں کو مزاحم دیکھ کر اور کئی آدمی حملہ آوروں کی مدد پر آگئے اور اچھی خاصی لڑائی ہونے لگی جس میں ابن مبرد کا غلام کافر تو گہرا زخم کھا کے گر پڑا۔ مگر باغرنے گو کہ زہ نہیں پہنے تھا اور کئی زخم کھا چکا تھا اس شخص کو مار ڈالا جس نے ابن مبرد کو مار کے گرا دیا تھا۔ ساتھ ہی باغز پر کئی آدمیوں نے جھپٹ کے ایک ساتھ کئی وار کئے اور وہ بھی زمین پر گر کے تڑپنے لگا۔

اب اس ہنگامے کی ان تمام لوگوں کو خبر ہو گئی جو جہاز کے استقبال کے لیے ساحل پر آئے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حاکم شہر یحییٰ بن موسیٰ خزانی بھی موجود تھا جو ابن طولون کی جانب سے یہاں کی حکومت کرتا تھا۔ اس نے آتے ہی ان لوگوں کو اسیر کر لیا جنہوں نے جیل اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کیا تھا۔ اور حکم دیا کہ جو لوگ زخمی پڑے ہوئے ہیں دیکھا جائے کہ زندہ ہیں یا نہیں۔ ضبطیہ فوج یعنی پولیس کے آدمیوں نے ہلا جلا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ جیل اور ابن مبرد تو مر چکے مگر باغز اور ابن مبرد کے غلام میں سانس باقی تھی۔ فوراً ایک جراح کو بلا کے حکم دیا گیا کہ اسی خیمے میں رکھ کر ان دونوں کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرے اور جب ہوش آجائے تو ان کا علاج کرے۔

اب یحییٰ نے ابوالحوقل اور ان لوگوں کو جو خیمے کے اندر تھے بلا کے تفتیش شروع کی کہ یہ کیا واقعہ تھا۔ قاتل جو گرفتار کیے گئے بالکل مطمئن تھے اور ان کے چہرے سے گرفتار ہونے پر بھی کسی قسم کا اندیشہ نہیں ظاہر ہوتا تھا۔ تفتیش شروع ہوتے ہی ان میں سے ایک نے کہا "ایہا الامیر! آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے شہر میں کیسے کیسے متضنی اور کتنے بڑے بد معاش جمع ہوئے تھے مقتولین میں ایک تو ابن مبرد ہے جس نے امیر مال مصر ہونے کے زمانہ میں فسطاط کی ساری رعایا کو پریشان کر رکھا تھا۔ جو شہزادی عزیزہ مصر کو چوروں کی طرح اس کا گھر باز لوٹ کے پکڑ لایا۔ دوسرا مکار و بد طینت جیل تھا جو امیر زادہ فارویہ کا مصاحب تھا۔ اس کی سازش سے پہلے تو ابن مبرد قید سے چھوٹ کر بھاگا۔ پھر شہزادی کے محل پر ان بد معاشوں کا زغم ہوا۔ اور آخر یہ لوگ بغداد کے زبردست لشکر کو مصر پر چڑھا لائے۔ اور اگر خدا نے فضل نہ کیا ہوتا تو ان ظالم

لیٹروں کے ہاتھ سے سارا مصر تباہ ہو گیا ہوتا۔ زخمیوں میں جو وہ شخص حضور کو زندہ ملے ان میں ایک تو ابن میرد کا غلام کافر ہے اور دوسرا بغداد کا نامور ترک سپہ سالار باغز۔ اسی باغز نے مصر پر حملہ کیا تھا۔ اور شکست کھا کے سردار ابن طولون کے ہاتھ میں اسیر ہو گیا۔ یہ سبھی: ”سبحان اللہ! یہ باغز ہے جو دس پندرہ روز ہوئے دس ہزار شکر لیے ہوئے بڑے کروفر کے ساتھ عسقلان کے راستے سے گزرا تھا۔ میں اس کا سر کاٹ کے امیر ابن طولون کے پاس بھیجوں گا۔“

امیر: اور حضور ابوالحوقل کو بھی گرفتار کر لیں جو ہماری لڑائی کے خوف سے بھاگ کر اس خیمے میں چھپ رہا ہے۔ یہ فسطاط کا ملک التجار اور دیماط کارہننے والا ہے۔ رعایا نے مصر کو اس پر اس قدر مہر دیا تھا کہ ابن میرد کو انہوں نے اسی کی حراست میں رکھوایا۔ مگر اس نے جیل سے سازش کر کے ابن میرد کو چھوڑ دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ ابن میرد نے بغداد میں پہنچ کر وہاں کے اہل دربار سے سازش کی اور یہ سب ہنگامے برپا کر آئے۔ یہ سن کر امیر یحییٰ کے حکم سے پولیس کے سپاہی خیمے میں گھسے۔ مگر اندر جا کے دیکھا تو ابوالحوقل اور غلام و خدام وغیرہ جو اس میں تھے سب بھاگ گئے کسی کا پتہ نہ تھا۔ ان کے

ملنے سے یاس ہوئی تو یحییٰ نے ان امیروں سے پوچھا: ”اچھا بتاؤ تم کون لوگ ہو، اور تم نے ان لوگوں کو کیوں مار ڈالا؟“

امیر: اس لیے کہ یہ لوگ بد معاش تھے۔ اور ہر مصری شخص کافر ہے کہ ایسے شریر النفس لوگوں کو قتل کر کے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائے۔“

یحییٰ: ”مگر تم اپنا نام اور پتہ تو بتا۔“

امیر: ”میں ایک معمولی شخص ہوں۔ اور دیماط کارہننے والا۔ میں بچپن سے ابوالحوقل کی خدمت میں رہا۔ اور ان کے خانگی کاموں کو انجام دینا میرا کام ہے۔ میرا ایک دوست ابوالہول کو تو ابوالحوقل کے سپاہیوں میں بھرتی ہے۔ اور اس کا خاص معتمد علیہ آدمی ہے۔ جب جیل ابن الدغنے سے ملا تو اسے فکر ہوئی کہ یہ کیا سازش کر رہا ہے۔ آخر چند روز میں اس کی سب باتیں اسے معلوم ہو گئیں۔ پھر جب ابن الدغنے کے ذریعے سے جیل

ابوالموقل سے ملا تو ابوالہول نے اس کے حالات مجھ سے بیان کیے اور کہا تم پتہ لگاتے رہنا یہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ ابن مبرد کا دوست ابن طولون کی مخالفت پر آمادہ ہے۔ چند ہی روز میں اس نے فریب دے کر ابوالموقل کو اپنے بس میں کر لیا۔ اور انجام یہ ہوا کہ ابوالموقل نے بجائے اس کے کہ ابن مبرد کو مجرم قیدیوں کی طرح رکھے اور معزز مہمان کی حیثیت سے رکھنا شروع کیا اور اپنا صاحب بنالیا اور آخر اس کو چھوڑ دیا۔ میرا ایک بھائی ابن الغنیون تھا جو بلائی کا پیشہ کرتا اور مسافروں کو کشتی پر بٹھا کے دمیاط اور ساحل مصر کے گاؤں تک لے جایا کرتا۔ وہی ابن مبرد کو لے گیا تھا۔ اور پانچ روز کے دریائی سفر میں ابن مبرد کی ایسی خدمت کی کہ اس نے کہا میں یہاں کا اگلا حاکم مال ابن مبرد ہوں بغداد جاتا ہوں۔ وہاں سے روانہ حکومت لے کر واپس آؤں گا۔ آتے ہی حاکم ہو جاؤں گا پھر اس وقت ابن طولون کو معزول کروں گا اور عزیزہ مصر سے سمجھوں گا۔ ابن الغنیون نے واپس آ کر یہ واقعات مجھ سے بیان کیے۔ میں نے اسے بتایا کہ ساری فساد کی جڑ جمیل ہے۔ جو خارویہ کی مصاحبت میں دنیا بھر کی مکاریاں کر رہا ہے۔ وہ برائے نام خارویہ کا دوست ہے مگر اصل میں اس کے خاندان کا دشمن۔ اور فقط اسی کا دوست ہے مگر اصل میں اس کے خاندان کا دشمن۔ اور فقط اسی کا دوست۔ سارے مصریوں کی جباہی کا سامان کر رہا ہے۔ ابن مبرد خدا جانے بغداد میں پہنچ کر کیا آفت جوتے گا۔ اور اس کی تمام سازشوں اور مکاریوں کا مرکز یہی بد معاش جمیل ہے جس نے کو تو ال ابن وغنہ اور میرے آقا ابوالموقل دونوں کو فریب دے رکھا ہے۔ نیز یہ بیان سن کر ابن الغنیون کو بڑا طیش آیا۔ اور کہنے لگا "افسوس کہ ایسے بد معاش شخص کو میں نے مدد دی۔ خود لے جا کے اطمینان کے مقام میں پہنچا آیا۔ گویا میرے ہی ہاتھ سے ہنزا دی عزیزہ مصر کو فریب دینے اور ہر دل عزیز امیر ابن طولون کے معزول ہونے کی بنیاد پڑی۔ میں اسی وقت پھر دمیاط جاتا ہوں۔ ابن مبرد جہاں ملے گا قتل کر ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر فوراً روانہ ہو گیا۔ مگر ایک ہفتہ کے اندر واپس آ کر کہنے لگا "افسوس میں نے ابن مبرد کو فسطاط میں نہیں پایا۔ معلوم ہوتا ہے کسی جہاز پر بیٹھ کر کسی طرف نکل گیا۔ مگر مجھے اپنی اس حرکت پر بڑا غصہ ہے۔ کیا کروں کہ دل کو قرار آئے

پھر خود ہی وہ جیل کے مارڈالنے پر آمادہ ہو گیا اور کہا فساد کی اصل جڑ ہی ہے۔ میں خود امیر زادہ خارویہ کے سامنے اسے قتل کروں گا۔ اور اس کا کام تمام کرنے کے بعد اپنے ملک کے نوجوان و نیک نفس ولی عہد کو بتاؤں گا یہ کیسا متفنی شخص ہے۔ اور حضور کے والد کے خلاف اس نے کسی سازشیں کر رکھی ہیں۔ میں نے اس کو اس کام سے بہت روکا مگر اس کا جوش ایسا تھا کہ کسی کے دبانے سے دوتا۔ دوسرے ہی روز خدا جانے کس تدبیر سے خارویہ کے باغ میں پہنچ کر کہیں چھپ رہا۔ اور جیسے ہی جیل نے آکر امیر زادے سے خوشامد فریب کی باتیں شروع کہیں نکل کے اس پر تلوار کا ایسا حربہ کیا کہ وہ گر پڑا مگر قبل اس کے کہ خارویہ سے کچھ کہنے پائے شیر جھپٹ کر اسے چھاپ بیٹھا اور انا فانا میں پیر پھاڑ ڈالا میں نے جب اس کے مارے جانے کا حال سنا تو بہت افسوس ہوا۔ خصوصاً اس لیے کہ جیل زندہ بچ گیا۔ اب میں نے اور ابوالہول نے اپنے دل میں عہد کیا جیل اور ابن مبرد کے قتل کی کوشش میں اپنی زندگی صرف کر دیں۔ جیل کا مار ڈالنا بہت آسان تھا۔ اس لیے کہ وہ فسطاط میں موجود تھا۔ اور روز سڑکوں پر گزرتا تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ ابن مبرد کہاں ہے جس کا قتل کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ ہم کو یہ بھی یقین تھا کہ جیل ہی کے ذریعے سے ابن مبرد کا پتہ لگ سکے گا۔ اسی اثنا میں شہزادی کا گھر ٹا اور ڈاکو ان کو پکڑ لے گئے۔ پھر باغ نے بغداد کے ترکی لشکر کے ساتھ آکر ہمارے سارے ملک کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر نیک دل ابن طولون کی ہمت اور ان کے فرزند خارویہ کے شیروں کی شجاعت سے یہ بلا دور ہوئی۔ اور باغ گھیر کے گرفتار کر لیا گیا۔ اس فتح اور کامیابی کے دو ہی روز بعد میں نے سنا کہ جیل نے اپنے آقا خارویہ کو بھی فریب دیا۔ اور باغ کو قید خانے سے نکال کر بھاگ کھڑا ہوا۔ تو ہم نے دل میں ٹھان لی کہ اب جس طرح بنے گا ان متفنی دشمنان دنیا سے انتقام لیں گے۔ اور چونکہ یہ جانتے تھے کہ ابن مبرد پہلی بار دریا کے راستے سے بھاگا تھا اس لیے خیال کیا اب کی بھی جیل اور وہ اسی راستے سے بھاگے ہوں گے۔ چنانچہ اپنے چار دلی دوستوں کو ساتھ لے کر ہم فسطاط سے دریا میں آئے۔ وہاں یہ جہاز لنگر اٹھاتا نظر آیا فوراً اس پر ہوا۔

دیویری کو اڑا لے گیا

یہ سب حالات معلوم ہونے کے بعد امیر سجلی نے اپنے امیر ابن الشمسون سے کہا تم نے ایسا شریفانہ کام کیا ہے کہ جی چاہتا ہے تم کو آزادی دے کر اپنا رفیق بناؤں اور امیر ابن طولون کی خدمت میں سفارش کر کے تم کو کسی معزز عہدے پر مقرر کر دوں مگر مناسب یہ ہے کہ امیر ابن طولون کو ان حالات کی اطلاع تمہارے ہی ذریعے سے کروں تاکہ وہ تمہیں دیکھیں اور تمہاری قدر کریں۔

ابن الشمسون: "میں نے یہ کام محض ملک کی خدمت کرنے کے لیے اپنا فرض منصبی سمجھ کے کیا ہے میں نہ کسی انعام کا طالب ہوں نہ کسی قدر دانی و عزت کا بلکہ اس کا رونا کو جرم تصور کر کے سلطنت میرے قتل کا بھی حکم دے تو مجھے کسی قسم کا رنج و ملال نہ ہوگا۔" مگر تم نے اپنا فرض ادا کیا تو سلطنت کو بھی اپنا منصفانہ فرض ادا کرنا چاہیے۔ ابن الشمسون: "مگر امیر ابن طولون کو اطلاع کرنے سے پہلے ابوالموقل کو ضرور اپنے قبضے میں کر لیجئے۔ وہ اگرچہ میرے آقا ہیں مگر ابن مبرد کے بہکانے سے فی الحال اپنے وطن اور اپنی حکومت کے نہایت خوفناک دشمن بنے ہوئے ہیں۔"

اس مشورے کے مطابق یحییٰ بن موسیٰ حرانی نے فوراً تفتیش شروع کر دی۔ شہر کے تمام ناکوں اور باہر جانے والی سڑکوں پر آدمی مقرر کر دیئے گئے کہ ابوالموقل کو جہر سے جاتے دیکھیں اسیر کر لیں۔ اس کا حلیہ ان کو بتا دیا گیا۔ اور جو جو آدمی اس کے پہچاننے والے تھے فوج ضبطیہ کے سپاہیوں کے ساتھ دوڑائے گئے کہ شہر کے گلی کوچوں کو چھان ڈالیں اور ہر مکان میں جا کر اسکو تلاش کریں۔

آخر یوں ہو کر سبھی نے ابوالہول اور ابن شمسوں سے کہا۔ اب تو ان لوگوں کے ملنے کی کوئی امید نہیں نظر آتی۔ افسوس دیو پر ہی کو لے کر اڑ گیا۔
 ابوالہول : مگر ابوالموقل کہیں نہیں چھپ سکتا۔ فسطاط میں اس کی ساری دولت عمارت اور اس کا بے اتہمال تجارت موجود ہے اس کے اہل و عیال اور لڑکے با لے بھی وہیں ہیں۔ ان کو چھوڑ کے کہاں جائے گا۔ نہ آیا تو اس کی ہر چیز پر امیر ابن طولون قبضہ کر لیں گے۔

اسی لیے اب شدید ضرورت ہے کہ میری طرف سے آپ سب صاحب فسطا^طط
 میں واپس جا کر امیر ابن طولون کو ان سب واقعات کی خبر کر سکیں وہ مناسب تدارک
 کر لیں گے۔

ابوالموقل کی روتی اور ان کے یہاں کے مکان پر میں قبضہ کیے لیتا ہوں اور
 جو چیزیں فسطاط سے آئی ہیں فروخت کر ڈالی جائیں گی۔
 یہی تجویز سب کو مناسب معلوم ہوئی۔ اور دوسرے ہی روز صبح کو ابوالہول
 ابن شمسوں اور ان کے رفقاء بک رفقا ر کشتیوں پر بیٹھ کے مصر کو روانہ ہو گئے
 ان کے جانے کے بعد امیر تکیجی نے اپنے مختلف جاسوسوں کو قرب و جوار کے
 شہروں میں بھیجا کہ مفورین کا پتہ لگائیں خصوصاً اس کو دریافت کریں کہ شہزادی
 عزیزہ مصر کہاں ہے۔

ابن طولون کی وفات اور تمام واقعات کا بدل جانا

ابوالہول وغیرہ کو دریائے نیل کے چڑھاؤ پر جانے میں تاخیر کا اندیشہ تھا اس لیے نیل کے دہانے سے پہلے ہی خشکی پڑا لیے۔ اور تین روز تک صحرائے حبشہ میں دشت نوری کر کے کوہسار مقطم کی گھاٹیوں میں گھسے۔ سلسلہ کوہ سے نکل کر قسطنطین کی طرف جا رہے تھے کہ دیکھا ایک جنازہ نہایت ہی شان و شوکت اور جاہ جلال کے ساتھ کوہ مقطم کی طرف آ رہا ہے۔ آگے بڑھے اور جلوں والوں سے ملے تو معلوم ہوا کہ امیر ابن طولون نے انتقال کیا۔ ان کے فرزند فاروقیہ باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ اور اسی کے حکم سے مرحوم والی مصر و شام کا جنازہ جبل مقطم کے دامن میں دفن ہونے کے لیے جا رہا ہے۔ یہ لوگ بھی شاہانہ جلوں میں تعزیت میں شریک ہو گئے۔ اور جب دفن سے فراغت ہو گئی تو گھر میں جا کے سوچنے لگے کہ اب کیا کارروائی کریں۔ یہ ان لوگوں کو سنجوبی معلوم تھا کہ عزیزہ مصر کے لالچ میں فاروقیہ سازش میں شریک اور جمیل والو الخو قتل کا دوست ہے۔ اُسے اگر عسقلان کے واقعات کی خبر ہو گئی تو ہم لوگوں کو بعض انعام و اکرام کے قتل کر ڈالے گا۔ ایک مہینہ اسی تردد میں گزر گیا۔ اور اس قدر خوف طاری تھا کہ کسی کو گھر سے نکلنے کی جرأت نہ تھی۔ مہینے کے بعد چار پانچ روز اور گزرے ہوں گے کہ ایک روز گھر کے اندر بیٹھے ہی بیٹھے انہوں نے سنا کہ امیر فاروقیہ کی جانب سے ڈسٹنڈورا پٹ رہا ہے کہ جمیل ابن میرداور سردار باغز کے قاتلوں کو جو کوئی لاکے حاضر کر دے گا اسے

پانچ ہزار دینار انعام دیے جائیں گے۔ یہ اعلان سنتے ہی ان کے رہے رہے حواس جاتے رہے اور اب فسطاط بلکہ خود اپنے گھر کے در و دیوار اہنیں دشمن نظر آتے تھے۔

مگر بغیر مفصل حالات دریافت کیے بھی کسی طرح چین نہ پڑتا تھا۔ آخر ان کے رفیقوں میں سے ایک بھول الحال شخص جس کا نام مجرموں کی فہرست میں نہیں شائع کیا گیا تھا گھر سے نکل کر سارے شہر میں پھرا اور پتہ لگاتا رہا کہ امیر خارویہ کو ان واقعات کی خبر کیونکر ہوئی۔ مگر کچھ حال نہ معلوم ہو سکا۔ تب دل مضبوط کر کے وہ کو تو ال شہر ابن دغنه کے پاس ابو الہول کا وکیل بن کے گیا۔ اور کہا "ابو الہول عقلمندان سے براہ دریا یہاں اُ رہے تھے کہ راستہ میں امیر خارویہ کا اعلان سنا اور اپنی جان کے خوف سے بھاگ کر جزیرہ اقریطش (کریٹ) میں چلے گئے۔ وہاں سے انہوں نے ایک یہودی تاجر کی معرفت مجھے کہلا بھیجا ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کروں کہ اب بھی آپ ان کے حال پر بہر بان ہیں یا نہیں۔ اور کسی طرح ممکن ہے کہ ان کا قصور معاف کرادیں؟ ابن دغنه یہ الفاظ سنتے ہی اس شخص کی صورت پر غور کرنے لگے۔ اور دیر تک اس کے چشم دابر و اور حرکات و سکنات کا مطالعہ کرنے کے بعد بولا۔ ابو الہول نے بڑا غضب کیا۔ ان لوگوں کے قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی جو امیر خارویہ کو عزیز تھے۔

وکیل، مگر انہیں کیا خبر تھی کہ امیر ابن طولون یہاں یوں یک بیک دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

ابن دغنه بخبر نہ ہونہ ہی۔ مگر انسان جو کام کرتا ہے اس کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈال کر لیا کرتا۔

وکیل۔ اور خدا جانے ہمارے امیر خارویہ کو ان واقعات کی خبر کیسے ہو گئی۔ ابن دغنه۔ اتنا بڑا واقعہ مہلا چھپ سکتا تھا؛ تخت نشینی کے بیس بائیس روز بعد سردار باغری کی فوج کے چند ترکوں نے جو شکست کے بعد ارض فلسطین کے گاؤں میں چھپتے

پھرتے تھے یہاں حاضر ہو کر شہر عسقلان میں ابن مبرد اور جمیل کے مار ڈالنے جانے کا حال بیان کیا۔ اور بتایا کہ ان کے قاتل ابوالہول ابن شمسون اور ان کے چند ہمراہی ہیں انہوں نے یہ بھی ظاہر کیا کہ باغز کو بھی ان لوگوں نے اپنے نزدیک مار ڈالا تھا۔ وہاں کا حاکم یحییٰ جو قاتلوں کا مدد و معاون تھا اس نے باغز کی لاش کو اپنی حراست میں لے لیا تھا مگر باغز کو بہت خفیف زخم آیا تھا محض دھوکا دینے کے لیے گرے اور بیہوش بنے ہوئے تھے۔ یحییٰ کے ہنٹے ہی انہوں نے قبضہ فوج کے پاسبانوں کو رشوت دے کر آزادی حاصل کی اور بغداد روانہ ہو گئے کہ وہاں جا کر ان سب باتوں کا بدلہ لیں۔ اسی اثنا میں انہیں امیر ابن طولون کی وفات کا حال معلوم ہوا۔ اور ہمیں آپ کی خدمت میں بھیج کر یہ پیام دیا ہے کہ اگر آپ اپنے باپ کی جگہ مصر کی مستقل حکومت اور عزیزہ مصر کا وصال چاہتے ہیں تو فوراً قاتلوں کو اسیر کر کے ہمارے پاس بھیج دیجئے ورنہ دار الخلافہ سے اتنا بڑا لشکر آئے گا جس کے مقابلے کی ملک مصر تاب نہیں لاسکتا۔ امیر خارویہ کو یہ پیام ملنے کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ باغز کے حکم کی تعمیل کریں۔ چنانچہ انہوں نے فوراً ڈھنڈروا پیٹ دیا کہ جو کوئی قاتلوں کو حاضر کرے گا اسے ہنت بڑا انعام ملے گا۔ اسی حالت میں کسی کی مجال ہے کہ ان کے سامنے ابوالہول کی جان بخشی کا نام لے۔ یا اس کی سفارش میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالے۔

شخص؛ غالباً حاکم عسقلان پر بھی عتاب ہوا ہوگا؟

ابن دغنے؛ "عتاب! حکم گیا ہے کہ فوراً پارہ زنجیر حاضر کیا جائے۔"

وکیل؛ "تو پھر ابوالہول کو مسلمانوں سے جدا اور وطن سے دور اقریطش ہی میں پڑا رہنا چاہیے۔"

ابن دغنے؛ "بیشک یہاں ان کی جان کا بچنا غیر ممکن ہے۔ اور اگر کچھ ہو بھی سکے گا تو ان سب جھگڑوں کے طے ہو جانے کے بعد ہوگا۔ میں ابوالہول کو ایک لائق اور کار گزار آدمی سمجھتا ہوں۔ مجھے ان پر پورا بھروسہ ہے اور میرے تمام کام انہیں کی کوشش سے انجام پاتے تھے جہاں تک میرے امکان میں ہوگا ان کی مدد کروں گا مگر ان کو ابھی یہاں آنے کا ہرگز ارادہ نہ کرنا چاہیے۔"

یہ جواب پا کر وہ شخص واپس آیا۔ اور جو کچھ سنا تھا ابن شمسون اور ابو الہول سے بیان کر دیا۔ ابن شمسون نے کہا "آپ نے اس کا پتہ نہ لگایا کہ ابوالمحو قتل کہاں ہیں؟" شخص نے اتنی باتیں بھی کر لیں تو بڑی جرات کا کام کیا۔ ابن دغنه کی حالت یہ تھی کہ بات بات پر مہترکتے پھرتے تھے۔ ابو الہول کا کچھ ایسا ہی اثر تھا کہ اتنی باتیں بھی کر لیں۔

ابو الہول: بے شک وہ بڑے شکی طبیعت کے آدمی ہیں۔ اور یہی شک ان کی کوتوالی کو چلا رہا ہے۔ ورنہ بالذات وہ اس قدر سیدھے اور سادہ لوح واقع ہوئے ہیں کہ جو چاہے انہیں فریب دے دے۔ میں ہمیشہ ان کو مکاروں کے مکر و فریب سے بچایا کرتا تھا۔ بس ایک جیل اتنا بڑا فربہ دست مکار تھا کہ اس کے مقابلے میں میرا زور نہ چل سکا اور وہ اس کے فریب میں آگئے۔ مگر غنیمت ہو کہ آج وہ فریب کھانا ہی ان کے کام آگیا۔ اور امیر خاریہ ان کو اپنا دوست اور خیر خواہ جانتے ہیں۔

ابن شمسون:

اب یہ باتیں چھوڑ بیٹے اور بتائیے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اس گھریں ہم کو زیادہ زمانے تک پناہ نہیں مل سکتی۔ یہاں رہے تو ایک دن پکڑ ہی لیے جائیں گے ابو الہول: یہاں سے بھاگنا تو ضروری ہے مگر افسوس کہ ہم نے جو نیکی کا کام کیا تھا۔ بدی ہو گیا۔ اور اب ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب ہونا غیر ممکن ہے۔

ابن شمسون: "خیر ان جہنم واصل بد معاشوں نے ہمیں جلا وطن تو کیا ہے مگر ہم بھی عہد کرتے ہیں کہ اپنی زندگی شہزادی عزیزہ مصر کی مدد اور اس کا انتقام لینے میں صرف کر دیں گے۔"

ایک رات: دولت مصر اور خلافت بغداد کے مقابلے میں ہم بھلا کیسے کامیاب ہو سکیں گے؟

ابن شمسون: ہمیں ہمت نہ ہارنی چاہیے۔ فسطاط چھوڑنے سے پہلے ہمارا یہ کام ہے کہ باہم دوستی و یکدلی کا عہد و پیمان کر لیں۔ پھر اس کے بعد اس کوشش میں سرف ہو

جائیں کہ شہزادی کا پتہ لگا نہیں اور ان کو اس عذاب سے چھڑائیں۔ ان کے شوہر منصور کو جہاں میں ڈھونڈ نکالیں۔ اور ابوالموتقل کو اس کے اعمال بد کی سزا دیں بیکار مارے مارے پھرنے سے یہ اچھا ہے کہ کسی کام میں لگے رہیں۔

ابوالہول "میں عہد کرنے کو تیار ہوں۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی جان کو اسی کام کی نذر کروں گا" اس کے بعد اور رفیقوں نے بھی ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔

اس قرارداد کے تیسرے دن ابن شمسون نے بھی اپنے ایک صاحب دوست کو ادھی رات کے وقت بلوایا۔ اور طے پایا کہ وہ اپنی کشتی کو فسطاط کی آبادی سے دو میل نشیب کی جانب لے جا کے نیل کے کنارے ٹھہرائے۔ اور جیسے ہی یہ لوگ آئیں ان کو بے کر روانہ ہو جائے۔ اس تدبیر سے یہ لوگ جو ابوالموتقل اور ابن شمسون کو ملا کر کل چھ آدمی تھے فسطاط سے نکل کر بھاگے۔ چونکہ روز دمیاط میں پہنچے۔ اور وہاں سے ایک جہاز پر سوار ہو کر ملک شام میں نکل گئے۔

بدنفس امیر کا فتنہ منشیہ

امیر فاروقیہ شہر پارسی عمامہ باندھے قصر امارت فسطاط کے ایک کمرے میں مترود بیٹھا ہے۔ اور دل میں کہہ رہا ہے کہ "افسوس ابھی تک نہ کوئی قاتل پکڑا گیا اور نہ بہتر آدمی عزیزہ مصر میر نے ہاتھ آئی۔ ان ناکامیوں کے ساتھ میری حکومت بھی ایک ڈوبنے والی کشتی کی طرح ڈلگ رہی ہے۔ باغیغداد میں پہنچ کر وصیف سے مل گیا اور دونوں کے تاکید سے احکام آرہے ہیں کہ قاتلوں کو جہاں سے بنے پیدا کر دو۔ لیکن وہ نہ ملیں تو میں کہاں سے پیدا کر دوں۔ اور اگر یہ مجرم نہ ملے تو کیا ہوگا۔ چالیس پچاس ہزار ترکوں کا سیلاب آئے گا۔ اور سارے مصر کو شفاف و براق فولادی اسلحہ کے پانی میں غرق کر دے گا۔ میرے پیروں نے دس ہزار ترکوں کو بھگا دیا تھا۔ مگر اتنے بڑے لشکر سے نہیں لڑ سکتے۔ اور وہ بھی ایک

اتفاقی موقع اور رات کا وقت تھا۔ اب اگر ایسا موقع پیش آیا تو تھوڑی فوج کے مقابلے میں بھی ان شیروں کے بنائے کچھ نہ بنے گی۔ مگر مجھے اندیشہ نہیں کہ مصر کی سلطنت بنے یا بگڑے اور فسطاط کی رعایا تباہ ہو یا برباد میری ذات پر تو میرا ذریعہ کسی کو حملہ نہیں کرنے دے گا۔ میں اپنے اس جان نثار سے کبھی نہ جدا ہوں گا۔ یہ خیال آتے ہی نظر اٹھا کے ذریعہ کی طرف دیکھا مسکرایا۔ اور کہا "کیوں تو ہمیشہ میری جان کی حفاظت اور میری پاسبانی کرے گا نا؟" ذریعہ آ کے قدموں پر لوٹنے اور محبت کے انداز سے غراتے لگا۔ اور فاروقیہ نے کمال اطمینان قلبی کے ساتھ کہا "ہاں تو میری حفاظت کرے گا۔" دشمنوں نے جمیل و ابن مبرد کو مار ڈالا۔ اور باغی کی جان پر حملہ کر دیا۔ مگر ایسا کوئی مکار دشمن مجھ تک پہنچ سکتا۔"

تھوڑی دیر تک ذریعہ کو پہلا کر پھر لعنہ ادا کے ترکوں کی دھمکی کی طرف خیال گیا اور بولا "میں نے ان لوگوں کی خوشنودی کے لیے جتنے ترک قید تھے سب کو چھوڑ دیا اور ان کو خوش کر کے رخصت کیا مگر یہ لوگ اب تک مجھ سے غیر ممکن چیز کا تقاضا کر رہے ہیں۔"

ساتھ ہی کچھ یاد آیا۔ اور اواز دہی "ہنا" ساتھ ہی ایک خوش رو و کمان ابرو فرنگی غلام جو دنیا و حریر کے رنگین کپڑے اور سر سے پاؤں تک طلائی زیور پہنتے تھا سامنے آکر آداب شاہی بجالایا۔

خارویہ: میں نے ابن دغنے کو بلوایا تھا کیا؟
غلام: "حاضر ہیں۔"

خارویہ: تو مجھے خبر کیوں نہ کی؟ خیر فوراً اسے میرے سامنے لاؤ۔"
غلام گیا اور ابن الدغنے کو بے کر حاضر ہوا۔ اُسے قریب آتے دیکھ کر ذریعہ غراتا ہوا اٹھا مگر جیسے ہی خارویہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا خاموش ہو گیا۔
خارویہ: "ابن دغنے تم پرانے کو تو ال ہو سلا کے ہر ایک پوشیدہ و مخفی مکان سے جس قدر تم واقف ہو کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ چند مجرموں کا آج تک نہ سراغ لگانہ پکڑ سکے۔ تم ہی بتاؤ کہ دار الخلافت سے روز بروز جو احکام چلے آتے ہیں ان کا میں کیا جواب دوں۔"

ابن دغنے: "امیر کا اقبال بلند غلام نے جستجو کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ اور شہر کا کوئی گھر نہیں ہے جس میں لفتیش نہ کر لی گئی ہو۔ مگر جب مجرم یہاں موجود ہی نہ ہوں تو کیا کیا جائے۔"

خارویہ: یہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ لوگ یہاں نہیں ہیں؟
ابن دغنے: "حضور میرے ایک یہودی جاسوس کو ایک اسرائیلی تاجر سے یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ جزیرہ اقریطس میں بھاگ گئے ہیں۔"

خارویہ: تو کہنا چاہیے کہ ان کا ہاتھ آنا غیر ممکن ہے۔ کاش وہاں خاموش بیٹھے رہتے

اور میں دربار خلافت کو ان کی طرف سے مطمئن کر دیتا۔
ابن دغنے: "حضور ان میں ابوالہول تو ایسا آدمی ہے کہ اس کی جانب سے بخوبی اطمینان
دلایا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ میرے خیال میں حضور کے کسی حکم سے باہر نہ ہوگا مگر
اس کے رفیق برے لوگ ہیں۔ وہ اپنے ساتھ اس کو بھی ابھارا بھار کے نقتے پیدا کر دیں
گے تاہم غلام عرض کرتا ہے کہ اگر ان لوگوں کی جانب سے اطمینان دلایا جائے تو باغزو
وصیف مطمئن ہو جائیں گے۔"

خارویہ: "اس کی امید تو نہیں ہے مگر میں اپنی طرف سے کوشش تو کرتا رہتا رہتا اور پریشانی
کے ساتھ ایک ٹھنڈی سانس لے کر، افسوس میں کس قدر پریشان ہوں۔ سلطنت تو بڑی
بری شے ہے۔ کاش میری محبوبہ بل جاتی۔ میں اُسے اور اپنے جان نثار رفیق زریق کو لے کر
جبل مقطم کی کسی دوسری طرف وادی میں جا بیٹھتا۔ اور آسانی کے ساتھ اس فتنوں اور
بے اطمینانیوں سے بھری ہوئی سلطنت کو لات مار دیتا (چونک کر) کچھ اس کا بھی پتہ لگا
کہ عزیزہ مصر کے شوہر منصور کا کیا منتر ہوا؟"

ابن دغنے: "میں نے جبل سے سنا تھا کہ وہ قید ہو کر بغداد گیا۔
خارویہ: (طلش کے ساتھ) یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ مگر تم نے اپنی جستجو سے کیا پتہ لگایا؟
تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا تو کو تو الگس کام کے ہو؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟
ابن دغنے: غلام کے نزدیک تو حضور سردار باغزو دیگر امرائے خلافت کو لکھ بھیسیں کہ قاتلوں
کی جستجو ہو رہی ہے اور جیسے ہی ہاتھ آئیں گے دربار خلافت میں بھیج دیے جائیں گے
اس کے ساتھ وعدہ کر لیں کہ اس دربار کی ہمیشہ اطاعت کریں گے۔
خارویہ: "یہ لکھا مگر وہ نہیں مانتے۔"

اتنے میں اسی حسین و خور و فرنگی غلام نے جو چوہدار یا عرض بگی کی خدمت انجام دیتا
تھا حاضر ہو کر عرض کیا کہ رئیس التجار ابوالحوقل آستان دولت پر حاضر اور زیادتی کے امیدوار
ہیں۔
ابوالحوقل کا نام سنتے ہی خارویہ جوش مسرت سے اچھل پڑا اور کہا: "اس شخص سے

سب کام نکل جائیں گے۔ اور اب صحیح صحیح حالات معلوم ہوں گے۔ فوراً میرے سامنے لاؤ۔ ایک منٹ نہیں گزرا تھا کہ ابوالحوقل حاضر ہو کے آدابِ حالات بجالایا اور تخت نشینی کی مبارک باد دی خارویہ نے اس کے آنے سے پہلے ہی زریق کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا اس لیے وہ خاموش بیٹھا رہا۔ اور مبارک سلامت کے معمولی الفاظ کے بعد خارویہ نے کہا: "تم خوب آگئے۔ اب میری سب پریشانی دور ہو جائے گی۔"

ابوالحوقل: غلام صرف حضور کی خیر خواہی میں یہاں سے جلا وطن ہوا۔ دشمنوں کے زنگ میں پڑا اور حضور کو تخت نشینی پر مبارک باد دینا قسمت میں لکھا تھا کہ زندہ بچ گیا۔ ورنہ اب تک حضور کے سر مبارک پر قربان ہو چکا ہوتا۔ اور سچ یہ ہے کہ آج اس آستانِ دولت پر حاضر ہو کے مجھے زندگی کی آس ہوئی ہے۔"

خارویہ: عسقلان میں یہ کیا واقعہ پیش آیا؟ تم لوگ وہاں کہاں پہنچ گئے؟ اہم وہ دشمن کون تھے جنہوں نے بے خطا و قصور حملہ کر کے میرے انیس جیل اور میرے خیر خواہ ابن مبرد کو مار ڈالا؟"

ابوالحوقل: سچ یہ ہے کہ حضور ہی کی خدمت بجالانے کے لیے ہم سب وہاں جمع ہو گئے تھے۔ ابن مبرد جب ہنزادی عزیزہ مصر کو پکڑ لے گیا ہے تو یہ راستے قرار پائی کہ عسقلان میں وہ ہنزادی کو معمولی لونڈیوں کی طرح بیچ ڈالے گا۔ اور میں اس کو حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے خرید لوں گا۔ چنانچہ اس کے چلے جانے اور باغ کے حملے کے بعد جب جیل باغ کو قید خانے سے نکال کر بھاگا تو میں نے ان دونوں کو قسقاط پہنچا کر اپنے مال تجارت کے ساتھ سمندر کے راستے سے عسقلان روانہ کر دیا۔ اور خود خشکی کی راہ سے گھوڑوں پر جا کر ان سے پہلے عسقلان میں پہنچ گیا۔ وہاں ابن مبرد سے ملا۔ اور ہم دونوں سمندر کے کنارے آبادی سے بالکل الگ الگ خیمہ ڈال کر چند غلاموں کے ساتھ اس میں ٹھہر گئے تاکہ کسی کو ہمارے معاملات و مقاصد کی خبر نہ ہو۔ وہ تمام کنیزیں جو جو یانانہ کے قصر میں پکڑی گئی تھیں اور خود جو یانانہ کو میں نے اپنے ایک مکان جو عسقلان کی تنگ و تاریک گلیوں میں تھا چند غلاموں کے ساتھ رکھوا دیا۔ اس لیے کہ میں نے وہاں پہنچتے ہی ان سب کو مرحوم

ابن مبرد سے مول لے لیا تھا۔ اب ہم دونوں اس لب آب خیمے میں بیٹھے جبل اور بانگر کے آنے کا انتظار کر رہے تھے کہ ان کا جہاز آ پہنچا۔ ہم دونوں کشتی پر جا کے انہیں جہاز سے لائے اور خیمے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

اب جہاز اور سب لوگ اڑے اور اپنا مال و ارباب اتارنے لگے۔ ان کے لینے اور تازہ وارد جہازوں کی سیر دیکھنے کے لیے بہت سے شہر والے بھی جمع ہو گئے اور چند لوگ ہمارے قریب آ کے کھڑے ہو گئے۔ چونکہ ہمیں کسی دشمن کا خیال نہ تھا۔ اس لیے ان کی طرف توجہ بھی نہ کی اور آپس میں آزادی کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ یکایک ان میں سے دو آدمیوں نے جھپٹ کے حملہ کیا۔ اور جب تک کوئی بچانے کے لیے بڑھے ابن مبرد اور جبل کو مار ڈالا۔ اب بانگر اور میرے غلام کا فوراً ان لوگوں کے مقابلہ کے لیے بڑھے مگر کئی اور آدمی دشمنوں کی مدد پر آ گئے جن سے بانگر کچھ دیر لڑے۔ وہ خود زہرہ پہنے نہ تھے۔ اور کئی آدمیوں کا زغہ تھا۔ ایک شخص کی تلوار کلمے پر لی۔ اور مردے کی طرح زمین پر گر پڑے مگر کافر مار ڈالا گیا۔ اب میں نے بڑھنے کا ارادہ کیا خصوصاً اس لیے کہ دشمنوں میں مجھے اپنا قدم پروردہ غلام ابن شمر بن نظر آیا۔ مگر اور لوگ میری طرف ایسے جوش و خروش سے مچھلے کہ میں بھاگ کے خیمے کے اندر مہرہا۔ اتنے میں حاکم عثمان نے جو ساحل پر موجود تھے آ کے ان لوگوں کو گرفتار کر لیا اور تحقیقات شروع کی۔ میں موقع پا کر خیمے کی پشت کی طرف سے نکل کے بھاگا۔ سیدھا اپنے اس گھر میں گیا جس میں نوٹدی غلام اور شہزادی تھیں۔ سارا مال و اسباب وہیں چھوڑا اور چند ہی لمحوں کے اندر سب کو لے کر آبادی سے نکلا اور سلسلہ لبنان کی گھاٹیوں میں گھس گیا۔

وہاں ایک امن کے مقام میں ٹھہر گیا۔ اور اپنے کسی غلام کو بھیجا کہ روز روز کی خبریں منگوا کر تا۔ چنانچہ وہیں بیٹھے بیٹھے مجھے معلوم ہوا کہ حاکم عثمان بجائے ہمارے ساتھ ہمدردی کرنے کے قاتلوں کا طرف دار ہے۔ اور ان کو اس نے حسن کارگزاری کے صلے کی سفارش کے ساتھ امیر ابن طولون کی خدمت میں بھیجا ہے۔ میں نے یہ بھی سنا کہ میرا وہ گھر اس کا کل اسباب اور میرا مال و تجارت جو ساحل پر پڑا تھا ضبط کر لیا گیا۔ میرا غلام مقصود گرفتار کر کے مارا پٹیا

گیا کہ میرا پتہ بتائے مگر اس غریب کو کیا معلوم تھا جو بتاتا۔ بس ایک خوشی کی خبر البتہ ان پہاڑوں میں سُنی گئی۔ وہ یہ تھی کہ امیر باغزمرے نہیں زندہ ہیں۔ اور دشمنوں کے دستِ ستم سے چھوٹ کے بھاگ گئے۔“

اس کے بعد میں وہیں دروں میں پڑا ہوا تھا اور دشمنوں کے خوف سے ہر دوسرے تیسرے روز اپنا مقام بدلا کرتا تھا کہ یکا یک ایک پہاڑی شخص سے امیر ابن طولون کی وفات اور حضور کی مسند نشینی کی خبر سستی اس مژدہ جانفزا نے مضیبتوں کا سارا طوفان نظر کے سامنے سے ہٹا دیا۔ فوراً بھیس بدل کر ایک مسیحی اسقف کی صورت بنائی۔ لونڈی غلاموں کے راہیوں اور ننوں کی وضع میں گدھوں پر سوار کر کے ساتھ لیا۔ سفر کے شہر غزہ میں آیا۔ اور وہاں سے ایک تاجرانہ قافلہ میں مل کر یہاں پہنچا۔ اور قبل اس کے کہ اپنے گھر جاؤں سیدھا آستانِ دولت پر حاضر ہوا۔ یہاں پہنچتے ہی غلام لباس بدل کے پھر وہی اگلا ابو الحوئل بن گیا۔ اور اس سر پر جہاں پانی کے سامنے حاضر ہو کر آداب شاہی بجا لایا۔“

خارویہ: ”میں تم کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ سچ یہ ہے کہ تمہارے اور جمیل کے چلے جانے کے بعد یہاں کوئی ایسا شخص نہیں باقی رہا جس پر میں بھروسہ کروں اور اسی زمانے میں یکا یک ایسے اہم معاملات پیش آ گئے اور ایسی جھگڑے کی باتیں اٹھ کھڑی ہوئیں کہ حکومت ملنے پر خوش ہونا درکنار جی چاہتا ہے کہ تاج و تخت کو چھوڑ کر کسی طرف بھاگ جاؤں۔“

ابو الحوئل: (سرنیاز جھکا کر) حضور پریشان نہ ہوں۔ یہ سب دشواریاں دور ہو جائیں گی۔ اور جہاں پناہ کا نیر اقبال یکا یک اس طرح چمک اٹھے گا جس طرح بدلی کے ہٹتے ہی آفتاب پوری آب و تاب سے چمک اٹھتا ہے۔“

یہ تقریر سن کر خارویہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اسی وقت ابن الدغنے کو چلے جانے کا حکم ہوا۔ اور جب صحبتِ اغیار سے خالی ہو گئی تو خلوت میں ابو الحوئل کو وہ تمام حالات بتائے جو بغداد کے ترک سردار اور اس کے درمیان میں پیش آئے تھے

بھڑکنا" سچ تو یہ ہے کہ میں نے باغز کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ بلکہ والد کی قید سے آزاد کر دیا۔ مگر والد کے ہاتھ سے ان کو جو تکلیف پہنچی اس کا انتقام وہ مجھ سے لینا چاہتے ہیں۔ افسوس جمیل مار ڈالا گیا۔ وہ اس گنہگار کو بڑی آسانی سے سلجھا دیتا۔ ابن الدغنه پر مجھے اعتبار پورا ہے مگر اس میں جمیل کی فراست و دانائی کہاں ہے؟ میں تو ہینہ ہی بھڑکی سلطنت سے عاجز آ گیا۔ حکمرانی اگر اسی کا نام ہے تو اس کو

میر اسلام :

ابوالحوقل : آپ پریشان نہ ہوں۔ دربار بغداد کی یہ دھمکیاں فقط اس لیے ہیں کہ جن لوگوں نے سردار باغز پر حملہ کیا وہ سب اپنی سزا کو پہنچ جائیں۔
خارویہ : "تو ان کی خواہش کے مطابق ڈھنڈورا بچھا دیا۔ اپنی طرف سے کثیر المقدار انعام مقرر کیا۔ اور بجزموں کی سراغ رسانی میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ وہ بار بار مجھے دھمکاتے ہیں اور لڑائی کے لیے تیار ہیں۔ میرے لیے تہزادی غزیرہ مصر کا فراق کیا کم مصیبت ہے کہ ان فکروں سے بھی پریشان کیا جاؤں۔ اور اب معلوم ہوا کہ مجرم میری قلم رو سے بھاگ کر جزیرہ اقریطش میں چلے گئے۔ جہاں کسی کا کچھ زور نہیں چل سکتا۔"

ابوالحوقل : یہ معتبر طور پر معلوم ہو گیا کہ مجرم اقریطش میں ہیں؟

خارویہ : کم سے کم ایک تو وہاں ضرور موجود ہے۔"

ابوالحوقل : "تو حضور مطمئن رہیں۔ میں خود وہاں جاؤں گا اور کسی نہ کسی مکر سے ان کو یہاں لاکے آسیر کروں گا۔"

خارویہ : تو پیسے جا کر تم دربار بغداد کو اطمینان دلاؤ۔ میں تمہیں کو اس سفارشات پر تیار ہوں گا۔"

ابوالحوقل : میں ہر حکم کو بسر و چشم بحالوں گا۔ اور یہ مہذب ہے کہ میرا جانا بے نتیجہ نہ رہے گا۔

خارویہ : "تو پھر فوراً روانگی کے لیے تیار ہو جائے۔"

ابوالحوقل : میں کل ہی روانہ ہو جاؤں گا۔"

خارویہ: "کل نہیں آج۔ مجھے بڑی جلدی ہے۔ ان سنگ دل سرداران ترک کی طرف سے اطمینان ہو تو اپنی محبوبہ شیریں ادا جو لیانا کی جستجو شروع کر دوں۔"

ابوالحوقل: "حضور کی یہ آرزو بھی بہت جلد پوری ہو جائے گی۔ مگر اس وقت جی چاہتا ہے کہ اپنے اقاتے ولی نعمت کو دکھاؤں، کہ کسی دلچسپی اور سلامت رومی کی شان اور لطف و ایمان کے ساتھ میں در دولت پر حاضر ہوا ہوں۔ اس کے لیے حضور اپنے اس برآمدے پر تشریف لے چل کے رونق افروز ہوں۔ جہاں دربار عام کر کے اور رُخ الثور پر نقاب ڈال کے تمام آنے جانے والوں کی سیر کیا کرتے ہیں۔"

خارویہ: (مسکرا کر) "اچھا میں تمہاری یہ ریاکاری کی آن بان دیکھوں گا۔ تو کیا یہ بھی ضرور ہے کہ اپنا چہرہ چھپائے رہوں؟"

ابوالحوقل: "حضور کو میں اتنی تکلیف نہ دوں گا کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے سامنے چہرہ کھول کے بیٹھیں۔ حسب معمول چہرہ پر نقاب ضرور ہو۔"

ابوالحوقل کی خواہش کے مطابق خارویہ اپنے دیوان عام کے برآمدے کی طرف گیا اور خود ابوالحوقل اس سے رخصت ہو کر دیوان شہریاری سے چلا گیا۔



راہبوں اور نولے کا جلوس

امیر مہر خاں روہ جیسے ایک با عظمت شہریار کی حیثیت حاصل ہے۔ دیوان خاص کے برآمدے میں چہرے پر نقاب ڈالے بیٹھا ہے۔ ارکان دولت اور جلوس شہریاری کے لوگ ہٹا دیے گئے تاکہ یہ مقام ایک معمولی گزرگاہ نظر آئے اور کسی کو خیال نہ گزرے کہ یہاں ایک تاجدار با اقتدار بیٹھا ہوا ہے۔ شاہی چوہدار بھی سامنے نہیں۔ پردے کی اڑ میں ہیں۔ یکایک اس کے سامنے سے پادریوں اور راہبوں کا ایک عظیم الشان جلوس گزرتا شروع ہوا جو سب گدھوں پر سوار ہیں۔ آگے آگے اسقف اعظم ہے جو معزز مقتدائے نصارا کو تاج پہنے اور ایک بڑی بھاری چوٹی صلیب جس پر طلائی کام بنا ہے بند کیے ہوئے ہے لمبے دامنوں کی قبا پہنے ہے جو سیاہ کبل کی ہے۔ ایک اچھے ٹانٹھے گدھے پر سوار ہے۔

اور اس کی خزمین جس میں اولیائے و شہدائے نصاریٰ کی ہڈیوں اور ندی صلیبوں کے ٹکڑوں کا خزانہ ہے اس کے آگے گدھے پر رکھی ہوتی ہے۔ خارویہ کے سامنے پہنچ کر یہ اسقف ٹھہر گیا۔ اور اس مذہبی جلوس کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

اس جلوس میں پہلے سپاس خرسوار راہبوں کا رسالہ تھا۔ سب مذہبوں کی ٹوپیاں اور کبلوں کے کرتے پہنے تھے۔ واڑھیاں لمبی تھیں جن میں معلوم ہوتا تھا کہ کبھی کبھی نہیں کی گئی ہے۔ سب گدھوں پر سوار تھے۔ موٹے موٹے دزل کی تسبیحیں گلوں میں پڑی تھیں اور اور ان میں امام کی جگہ پر جو موٹی اور بھاری صلیب لگی تھیں ان کو ہاتھوں میں اٹھائے اور آنکھوں کے سامنے کئے ہوئے تھے۔

ان راہبوں کے پیچھے ایک سو کے قریب پری جمال و خورشید کنواری نہیں تھیں۔

+

یہ سڑوں پر سفید سوتی رومال باندھے تھیں جن میں ان کی زلفیں اور کاکلیں چھپی ہوئی تھیں۔ گلوں میں سفید کرتے تھے۔ اور ان پر لمبی چوڑی سفید چادریں جن میں سارا پنڈا چھپاتے تھیں۔ ان کی پیشانیوں پر سرخ روشنائی سے صلیبیں بنا دی گئی تھیں۔ اور ان کے ہاتھوں میں تیل کی صلیبیں تھیں جن کو وہ بار بار ہونٹوں سے لگا کے چوم لیتیں۔ یہ سب پری دیش بھی گدہوں پر سوار تھیں۔ مگر اس ثقاہت کی وضع اور پاک دامنی کے انداز میں بھی ان کے خوبصورت چہرے اور ان کی تیرا فگن آنکھیں ناظرین پر کچھ ایسا اثر ڈالتیں کہ دل تھام کے رہ جاتے۔

ان نازنینوں کو دیکھ کر خارویہ کی زبان سے بے اختیار نکلا یہ جادو نگاہ نہیں تو بلا کی ہیں انہوں نے میرا دل چھین لیا۔ بعض خلفائے نبی عباس حسن کے انہیں کرشموں کے دیکھنے کے لیے بڑی کوششوں سے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ عراق و شام کے مشہور دیروں کی سیر کیا کرتے تھے۔ مگر وہ سیر ابوالحوقل نے مجھے گھر بیٹھے دکھادی۔ اس کا یہ کلمہ سنتے ہی وہ اسقف اعظم جو صلیبی علم لیے ہوئے سامنے ٹھہر گیا تھا۔ گدھے سے اتر کے خارویہ کے پاس آیا اور عرض کیا۔ اگر یہ نازنین اچھوتے ہاں پسند ہوں تو سب جہاں پناہ کے مشکوئے معلیٰ میں پہنچادی جائیں؟

خارویہ: (حیرت و استعجاب سے) "یہ ممکن ہے؟" اس کا جواب دینے کے لیے اسقف نے صلیب الگ رکھ دی۔ تاج مقداتی اتار کے خارویہ کے قدموں پر ڈال دیا۔ اور کمل کا کرتا اتار کے آداب شاہی بجالایا۔

خارویہ: "ہمقہ مار کے" اس تم ہو ابوالحوقل! اگر چہ ابھی ابھی گئے ہو مگر خدا کی قسم میں نے نہیں پہچانا۔ اتنی جلدی تم نے ایسا کمال کا بھروپ کیسے بھریا؟

ابوالحوقل: حضور اسی بہروپ نے جان بچائی۔ اسی لباس و وضع میں غزہ سے یہاں تک آیا ہوں۔

خارویہ: اور یہ سب پادری اور نہیں بھی مصنوعی ہیں؟

ابوالحوقل: سب بنے ہوئے ہیں۔ پادری میرے غلام اور ملازم ہیں۔ اور نہیں وہ

آف روزگار کینزیں ہیں جن کو غلام حضور کی نذر کرنے کے لیے لایا ہے۔“
 خارویہ: ”تم میرے بڑے وفادار دوست اور سچے خیر خواہ ہو۔ اس سے زیادہ قیمتی اور
 پسندیدہ نذرانہ کوئی نہیں پیش کر سکتا۔ مجھے ان کینزوں کی یہ سادی معصومانہ وضع بہت ہی
 پسند آتی۔ اسی انداز سے ان کو محل میں لے چلو۔ وہاں تقریب سے ان کی راہبانہ آن
 بان دیکھوں گا۔ اور چاہتا ہوں کہ انہیں ہمیشہ اسی وضع و لباس میں رکھوں۔“
 ابوالحوقل: ”حضور جس مجلس اور لباس میں چاہیں رکھیں۔ خیر تو اب حضور والا محل میں
 تشریف لے چلیں۔ میں ان کو لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ اور راہبوں کی وضع میں جو غلام ہیں
 باہر ٹھہرا دیے جائیں گے۔“

خارویہ فوراً اٹھ کر محل میں چلا گیا اور ابوالحوقل ان ننوں کو اسی طرح گدہوں پر سوار
 اپنے ساتھ لے کر زانی ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ مصنوعی راہب باہر چھوڑ دیے اور
 خود اندر جا کے دیکھا کہ زانی محل کے صحن میں خارویہ بے نقاب کھڑا ہوا ہے اور
 چند ناز آفریں و مزہ جیں خواہیں اس کے پیچھے اور داہنے بائیں کھڑی ہیں۔ گویا ایک
 گلاب کا پھول ہے جس میں زرگل تو خارویہ ہے اور نازک پنکھڑیاں وہ گل پیرہن
 نازنین ہیں۔

ابوالحوقل و فورادب سے فاصلے پر ٹھہر گیا۔ اور حور شمائل اچھوتیاں گدھوں سے اتر
 کر اسی ترتیب و ادب کے ساتھ اس کے قریب سے گزرنے لگیں۔ دوہی چار نہیں
 گزری ہوں گی کہ ایک نے چلتے چلتے ٹھٹک کر غور سے خارویہ کی صورت دیکھی اور اس
 کی زبان سے نکلا: ”امیر زادہ خارویہ!“ ساتھ ہی خارویہ نے اس کے چہرے کو نہایت
 ہی مصروفیت و توجہ کے ساتھ دیکھا اور بے اختیار کہہ اٹھا: ”ماہ طلعت جو لیا نا! آہ کیا میں
 محترم شہزادی عزیزہ مصر کو دیکھ رہا ہوں۔“ یہ جواب سنتے ہی جو لیا نا آنکھوں میں آنسو
 بھر لائی۔ اور ایک آہ فلک دوز کھینچ کر بولی: ”میری فریاد کو پہنچے ہیں اب شہزادی نہیں
 ایک ذلیل و مظلوم لونڈی ہوں۔ جس پر دنیا میں کسی کو ترس نہیں آتا۔ مگر قسمت نے آج اس
 پرانے ہمدرد و حامی تک پہنچا دیا جو میری فریاد کو سنے گا۔ میں اپنے شوہر کے آغوش سے

جدا ہوئی۔ میرا گھر بار لٹا۔ میری دولت ڈاکوؤں کی نذر ہوئی اور میں لونڈیوں کی طرح بچی
 اہ میری خیر نہ آپ نے لی اور نہ آپ کے شریف النفس والد ابن طولون نے۔ بس
 اب انہیں دونوں سے مجھے اپنی مظلومی کا انتقام ملے گا۔“

خارویہ بھی اپنی آنکھوں میں آنسو بھیر لایا اور بولا: "انسوس آپ کو اس حالت
 میں دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا۔ والد کا انتقال ہو گیا۔ اور جب تک زندہ رہے آپ کی
 جستجو میں لگے رہے۔ اور میری آنکھیں بھی ہر وقت آپ کے رخِ دیریا کو ڈھونڈا کرتی
 تھیں۔ الحمد للہ کہ آج یہ تمنا برآئی۔ آپ کا وہ قصر اب پھر آپ سے آباد ہو گا پہلے سے
 زیادہ دولت و حشمت میں آپ کے لیے بہتیا کر دوں گا۔ اور آپ جو حکم دیں گی
 اس کی تعمیل ہوگی۔"

جولیاننا: "میں اب نہ وہ قصر چاہتی ہوں نہ وہ دولت و ثروت نہ مجھے اپنی وہ لونڈیاں
 چاہئیں اور نہ وہ غلام۔ فقط دو باتوں کے لیے التجا کرتی ہوں۔ ایک تو یہ کہ میرے
 شوہر منصور کو ڈھونڈ کر مجھے اُن کی آنکھوں میں پھینکا دیجئے۔ اور دوسرے یہ کہ
 ظالموں سے میرا انتقام لیجئے۔"

خارویہ: "بشرطیکہ آپ بتادیں کہ آپ پر کس نے ظلم کیا؟ یہاں تو یہ مشہور ہوا تھا کہ بدوی
 ڈاکورات کو حملہ کر کے آپ کا محل لوٹ لے گئے اور آپ کو بھی پکڑ لے گئے۔"
 جولیاننا: "جس بدوی ڈاکو نے مجھے تباہ کیا اور مجھ پر طرح طرح کے ظلم کیے وہ ابن مبرد
 تھا اور یا اس کا دوست ابوالحوقل جو سامنے کھڑا ہوا ہے اور مجھے لونڈیوں کی طرح
 زبردستی اس بھیس میں یہاں لایا ہے۔"

خارویہ: "تو کیا آپ نے نہیں سنا کہ ابن مبرد سے خدا نے آپ کا انتقام لے لیا۔
 اور عسقلان میں چند دشمنوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔"
 جولیاننا: "وہ مار ڈالا گیا۔ الحمد للہ کہ خدا نے اسے جہنم واصل کیا۔ تو اب یہ بد معاش تاجر
 ابوالحوقل باقی ہے۔ آپ اس سے انتقام لیں۔"

خارویہ: "یہ تو آپ کے دوست ہیں۔ اور میں ان کا شکر گزار ہوں کہ آپ کو مجھ تک

پہنچایا:

جو یانا: "جی نہیں۔ یہ ابن مبرد کا دوست اور اس کی بدکاریوں میں شریک ہے۔ اور غالباً ابن مبرد کے مار ڈالے جانے ہی کی وجہ سے یہ گھبرایا ہوا آیا۔ اور مجھے سب لونڈیوں کے ساتھ عسقلان سے پہاڑوں میں بھگالے گیا۔ اور اب ہم سب کو جبر و ظلم سے پادریوں کے محبس میں لایا ہے۔ کہ آپ کے ہاتھ فروخت کرے۔"

خارویہ: آپ کی سی معزز شہزادی ہزار بار بکے لونڈی نہیں ہو سکتی۔"

جو یانا: "لونڈی مجھ سے لاکھ درجہ اچھی۔ ابن مبرد میرا منہ چڑھاتا۔ مارتا پٹیتا اور بات بات پر میری اگلی حالت یاد دلا کے مجھے ذلیل کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میں ابوالحوقل کی لونڈی بنی اس نے اس طرح ذلیل تو نہیں کیا۔ مگر مجھے اس کے بعض غلاموں سے معلوم ہو گیا کہ یہ ابتداء سے اس ڈکیتی میں شریک تھا۔ اور خاص اس کے اشارے سے میرے مکان پر شجون مارا گیا۔ میں بغیر اس سے انتقام لیے نہ رہوں گی۔ بس میرے شوہر کو بلوائی بنے اور اس ظالم کی گردن مارینے۔"

اس کے لیے یہ الفاظ سن کر ابوالحوقل آگے بڑھا اور عرض کیا: "اگر شہزادی عزیزہ"

مصر مجھ سے اس درجہ ناراض ہیں تو حضور بلاتال میرا سر اڑادیں۔"

خارویہ: "مگر تم از روئے شرع شریف واجب القتل نہیں ہو۔ میں ایک بے گناہ کے خون میں کیسے ہاتھ رنگ سکتا ہوں۔"

ابوالحوقل: شہزادی کہ خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جائز ہے۔"

خارویہ: "میں شہزادی کے حکم سے اپنی جان دے سکتا ہوں مگر کسی دوسرے بے گناہ کی جان نہیں دے سکتا۔"

ابوالحوقل: "اچھا ایک صورت ہے۔ میں آج ہی جاتا ہوں۔ دنیا بھر کی خاک چھانوں گا اور عباسی شہزادہ منصور کو ڈونڈھ لاؤں گا۔ اس کے معاوضے میں شہزادی میرا قصور معاف کر دیں۔" اس پر خارویہ نے نیرت سے ابوالحوقل کی صورت دیکھی اور اس نے جو یانا کی نظر بچا کے ایسا اشارہ کیا کہ خارویہ ناگہاں بول اٹھا۔ ہاں ہاں بس یہی

ٹھیک ہے۔ جاؤ منصور کو ڈھونڈھ لاؤ۔ کیوں شہزادی عزیزہ مصر۔ اتنی بڑی خدمت کے صلے میں تو یقینی امید ہے کہ آپ ان کا قصور معاف کر دیں گی۔ کیوں ہے نا؟

جولیانادیر تک سر جھکا کے سوچتی رہی۔ پھر سر اٹھا کے بولی: "اچھا اگر یہ شخص میرے شوہر کو ڈھونڈھ لایا تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس کا قصور معاف کر دوں گی۔" خارویہ: "میں آپ کی رحم دلی کا شکر گزار ہوں۔ سنا تھا اور ہمیشہ آزما کے دیکھا کہ حسینوں کا دل نہایت سخت ہوتا ہے مگر آپ خدا کے فضل سے حسن و جمال میں عدیم المثال ہونے کے ساتھ رحم دل بھی ہیں۔ تو اب آپ اپنی ان سب کینزوں کے ساتھ میرے محل میں رونق افروز ہوں۔ اور ابوالحوقل آج ہی منصور کی تلاش میں روانہ ہو جائیں۔ جب تک یہ واپس آجائیں آپ کا قصر جو اچڑا ہوا ہے درست اور صاف سامان عیش سے آراستہ ہو جائے گا۔ اور یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب تک آپ کے شوہر نہ آئیں۔ آپ اسی عابدانہ و معصومانہ بھیس میں اور ایسی ہی تارک الدنیا جوگن بنی رہیں۔"

جولیانادیر: ہاں اب تو یہ فقیرانہ لباس انسی وقت اترے گا جب میں اپنے گم شدہ شوہر سے ہم کنار ہوں گی۔"

یہ جواب پا کر خارویہ نے حکم دیا کہ یہی قصر شہزادی اور اس کی ہمراہی کینزوں کے لیے خالی کر دیا جائے۔ اور رہنے بہنے کا تمام ضروری سامان فراہم ہو جائے پھر شہزادی سے کہا: "آپ یہیں قیام فرمائیں۔ میں وقتاً فوقتاً حاضر ہوتی ہوں گا تاکہ آپ کے غمزدہ دل کو تسلی دے جایا کروں۔ شہزادی نے جواب میں شکر یہ ادا کیا اور خارویہ نے باہر کی خلوت گاہ میں جا کے ابوالحوقل کو بلوایا اور کہا یہ تم نے کیا کہا کہ منصور ڈھونڈھ لاؤ گے تمہیں سے تو میں نے سنا تھا کہ وہ گرفتار ہو کے بغداد گیا اور مار ڈالا گیا۔"

ابوالحوقل: "بے شک جہیل سے میں نے یہی سنا تھا۔ اور یہی واقعہ بھی ہے۔ مگر اس وقت شہزادی کے بہلانے اور ان کی ضد ٹالنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ تھی۔ میں حضور کے حکم سے سفارت پر بغداد جاتا ہی ہوں۔ شہزادی کو باور کرایا جائے کہ میں ان کے شوہر کی تلاش میں گیا ہوں۔ تین چار مہینے سے کم زمانے میں واپس نہ آؤں گا اسی مدت میں حضور

روز مل مل کے ان کو مانوس اور اپنا ہمدرد و غم گسار بنالیں۔ اور کبھی کبھی کوئی ایسا کلمہ کہہ دیا کریں جس سے منصور کا زندہ ہونا مشتبہ نظر آئے۔ واپس آنے کے بعد اگر میں یہ دیکھوں گا کہ شہزادی حضور سے مانوس ہو گئیں اور اپنے شوہر کی خبر مرگ سننے کے لیے تیار ہیں تو ان کے قتل ہونے کا واقعہ بیان کر دوں گا۔ اور اگر دیکھوں گا کہ ابھی تک اسی طرح اپنے شوہر کا دم بھر رہی ہیں تو چند ناامیدیوں کے خیالات ظاہر کر کے اسی تلاشی میں جانے کے بہانے ایک اور سفر کروں گا۔ آخر وہ مجبور و ناامید ہو کر آپ سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائیں گی۔

خارویہ: "تدبیر تو معقول ہے۔ مگر مجھے مدتوں صبر کرنا پڑے گا۔"
ابوالحوقل: حضور اس معاملے میں صبر کرنا اور احتیاط سے کام لینا ضروری ہے۔ اگر آپ نے جلدی کی اور زبردستی جو لیا نہ سے نکاح کرنا چاہا تو مصر کی ساری رعایا بغاوت کر دے گی۔"

خارویہ: بے شک بے شک۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ مگر دیکھو جس قدر جلد ہو سکے تمنا پوری کرو۔"

ابوالحوقل: "میرا تو یہی جی چاہتا ہے، ہتھیلی پر سرسوں اگا دوں۔ مگر ایسے معاملات میں تاخیر زیادہ مفید ہوا کرتی ہے۔"

خارویہ: "خیر جو مناسب ہو۔ مگر مجھے تجربہ ہو گیا کہ جھوٹ سے انسان جو فائدہ اٹھا سکتا ہے سچ سے غیر ممکن ہے۔ اگر شہزادی سے سچ سچ کہہ دیا جائے تو سارا کھیل بگڑ جائے واقعی عقلمندی جھوٹ بولنے ہی میں ہے۔"

ابوالحوقل: "حضور ہم لوگ تو جس روز سے بڑے بڑے معاملات کا انجام دینا اپنے ذمے لیا جھوٹ کو نہایت مضبوطی سے اختیار کر لیا ہے اور سچ کو انہیں ملاؤں کے لیے چھوڑ دیا جو غلط کہتے اور مسجدوں میں بیٹھ کر وظیفہ پڑھا کرتے ہیں۔"

اس کے بعد ابوالحوقل نے خارویہ سے رخصت ہو کر اپنے گھر کی راہ لی وہاں چند گھنٹے ٹھہر کے اور انرا واقارب سے روادی میں مل کر لہذا دکی جانب روانہ

ہو گیا۔ مگر جانے سے پہلے ابن الدغنه سے بھی مل لیا اور اسے بتایا کہ کس طریقے سے
 والی مصر خارویہ پر اپنا اعتبار قائم کرے اور اس کی نظر میں اپنے آپ کو دانا و ہوشیار
 ثابت کرے۔ خارویہ نے اس کے جاتے ہی تہزادی کو باور کرایا کہ ابوالمخوف قلمنصور
 کو ڈھونڈنے گیا ہے۔ اور دن میں کئی کئی بار اس سے مل کر اس کو مانوس بنانا سیر و
 شکار اور عیش و عشرت میں مصروف کر کے اور شیروں کے شکار کے تماشے دکھا دکھا
 کے اس کا غم غلط کرنا اور شوہر کی یاد کو اس کے لوح دل سے مٹانا شروع کیا۔

تجدید عہد اور سرکاری

گزشتہ واقعات کے تین مہینے بعد شہر بیت المقدس میں خاص مسجد اقصیٰ کے اندر اور قبة الفخرہ کے نیچے ہم چھ آدمیوں کو دیکھتے ہیں تو تنہا بیٹھے ہوئے آزادی و بے باکی سے باتیں کر رہے ہیں۔ ہمیں ضرورت نہیں کہ اپنے ناظرین سے ان کا تعارف کرائیں۔ اس لیے کہ ان کی گفتگو خود ہی بتا دے گی کہ کون ہیں۔

یہ چھپوں اشخاص قبة کی عمارت اور اس کے ہر ہر حصے کو قریب قریب جا جا کے غور سے دیکھ رہے تھے کہ ایک نے سب کو اپنے پاس بلا یا اور کہا یہ تو خدا کی مہربانی ہے کہ اس مقدس شہر میں آنا ہو گیا مگر اس کو تو سوچو کہ ہم اس وقت تک بے نتیجہ مارے مارے پھرے پھرتے پھرتے یہاں آتے اس محترم مسجد کی زیارت کی اور قبة الفخرہ کے سایے میں ہیں جس سے بڑا شرف کسی مسلمان کے لیے نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس جس غرض کے لیے جلا وطن ہوتے وہ اتنی ہی دور ہے جتنی دور پہلے تھی۔

دوسرا: "مگر الحمد للہ کہ ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ جس دھن میں خانہ بدوشی اختیار کی وہی دھن اسی شور اور جوش خروش کے ساتھ ہمارے سینوں میں آج بھی موجود ہے۔"

پہلا: ابن شمسون یہ تم سچ کہتے ہو کہ ہماری مستعدی ویسی ہی ہے مگر ایسی مستعدی سے کیا حاصل جو بے کار و بے نتیجہ ہو۔

ابن شمسون: "ہمیں یقین ہے کہ ہماری کوششیں بے نتیجہ رہے گی۔"

پہلا: "آج تک اتنا بھی تو نہ ہوا کہ عزیزہ مہر کا پتہ لگ جاتا۔ ابن ببرد جو اس کو پکڑا یا تھا مسقلان میں مار ڈالا گیا اور سنایا گیا کہ ابوالمحو قتل اس کو لے کر کسی طرف چلا گیا ہے۔ مگر اس کا

سراغ نہیں لگتا کہ کہاں ہے۔“

ابن تمسون، پرسوں اس کو ہی نصرانی نے نہیں بتایا تھا کہ ابن مبرد بہت سے لونڈی،

غلاموں کے ساتھ کوہ لبنان کی کسی گھاٹی میں چھپا ہوا ہے۔“

پہلا۔ ”ہاں بتایا تھا مگر اس سے ہمیں کیا مل گیا۔“

ابن تمسون۔ ”ابوالہول، ہمت نہ ہارا کرو۔ اتنی سراغ رسانی ہوئی ہے تو ہم اس کو پا بھی
جائیں گے۔ اور یاد رکھو کہ عنقریب ابوالحوقل اور شہزادی عزیزہ مصر کا پتہ لگ ہی جائے
گا۔“

یہ ایک کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ اور ایک مسیحی خادم مسجد جو مسجد اقصیٰ کے صحن کو روز
گلاب ملے ہوئے پانی سے دھویا کرتا تھا۔ ایک ستون کی آڑ سے نکل کر ساجھنے آیا اور
بول۔ حضرت معاف فرمائیے گا مجھ سے آپ سے ملاقات نہیں ہے۔ اور میرا آپ سے
بات کرنا گستاخی سے خالی نہیں۔ مگر آپ شاید ابوالحوقل اور شہزادی عزیزہ مصر کا حال
معلوم کرنا چاہتے ہیں۔“

ابن تمسون؛ ”ہاں ہاں انہیں کی تلاش میں مصر سے آئے ہیں۔ اس لیے کہ ہم ان کے
توکر ہیں۔ اور ان کے چلے آنے سے ان کی تجارت کا سارا کاروبار بگڑا جاتا ہے۔“

نصرانی۔ ”مجھے اس سے غرض نہیں کہ آپ کس لیے ان کو ڈھونڈتے ہیں یہ کافی ہے کہ آپ
کو ان کی تلاش ہے اور میں ان کا حال جانتا ہوں۔ لہذا مجھے بتانے میں کوئی بھی عذر
نہیں ہے۔“

ابوالہول؛ ”بڑی ہربانی ہوگی اور ہم نہایت شکر گزار ہوں گے۔“

نصرانی۔ ابوالحوقل بہت سے لونڈی غلاموں کے ساتھ ایک مدت تک کوہ لبنان
کی گھاٹیوں میں دوسرے تیسرے روز جگہیں بدلتے رہے۔ وہاں کے رہنے والے
علی العموم مسیحی ہیں۔ انہوں نے ان کو ایک شریف و ذی حسنت عرب سمجھ کر اپنے پیار
میں پناہ دی دشمنوں سے چھپایا۔ اور ہر طرح ان کی خبر گیری کرتے رہے یہاں تک
کہ انہیں امیر ابن طولون کی وفات اور امیر فارویہ کی جانشینی کی خبر پہنچی اور مصلحت ہو

گئے۔ اس لیے کہ ان کو امیر خارویہ کے دربار میں خصوصیت حاصل ہے۔ علاوہ بریں
 تہزادی عزیزہ مصران کے ہمراہ تھیں جن پر امیر خارویہ عاشق ہیں۔ تاہم وہ راستے کے شہر
 والوں سے ڈرتے تھے۔ اور خوف تھا کہ تہزادی کو کوئی ان سے پھین نہ لے۔ اس لیے
 انہوں نے ارادہ کیا ایک مسیحی اسقف بن کر اور ہمراہی لونڈی غلاموں کو راہب اور
 تین بنا کر ایسی دینی بے تعلقی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہا ہے۔ کوہستان
 کے مسیحیوں نے ہمدردی کی راہ سے ان کے لیے اسقفوں اور راہبوں کا لباس۔
 صلیبی اور گدھے وغیرہ فراہم کر دیئے۔ اور اپنے دو آدمی بھی ساتھ کر دیے
 کہ مصر پہنچنے تک ان کی وضع و قطع اور ان کے لباس کو ویسا ہی قائم رکھیں جیسا کہ مسیحی
 راہبوں اور نٹوں کا ہونا چاہیے۔ غرض اس شان سے وہ مصر میں گئے اور تہزادی
 عزیزہ مصر کل کنیزوں اور غلاموں کو خارویہ کے قصر میں پہنچا دیا۔ مگر امیر نے کسی خاص
 ضرورت سے فوراً انہیں اپنا سفیر بنا کر دربار بغداد میں روانہ کیا۔ چنانچہ ان دونوں
 مسیحی رفیقوں کے ساتھ پلٹ کے پھر کوہ لبنان میں آئے اور بجائے اس کے
 کہ صلیبی اور راہبانہ کپڑے لے گئے تھے ان کو واپس کر بی بہت سا انعام و اکرام
 اہل جیل کو دیا اور بغداد چلے گئے۔ میرا مکان بھی اسی پہاڑ میں ہے۔ میں نے کئی بار
 ان کو وہاں دیکھا تھا۔ اور پرسوں میرا بھائی آیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ ابوالخوئل ہمارے
 ہم مذہبوں اور اکثر عزیزوں کو انعام سے سرفراز کر کے بغداد چلے گئے۔

یہ حالات سن کر ابوالہول اور اس کے ساتھیوں کو نہایت تعجب ہوا اور ابن
 شمسون نے اس لبنانی نصرانی سے یونچیا: تو ابوالخوئل تنہا بغداد گئے ہیں اور ان کے
 ساتھ والے اور تہزادی عزیزہ مصر سب مصر میں اور خاص خارویہ کے محل میں ہیں؟
 نصرانی: جی ہاں ابوالخوئل کو بغداد گئے ایک ہفتہ سے زیادہ زمانہ نہیں ہو۔ اور
 تہزادی تو امید ہے کہ اب مصر میں خوش و خرم ہوں گی۔

ابوالہول: "بے شک۔ آپ نے بڑی مہربانی کی یہ حالات بتا دیجئے۔ اور اب
 ہمیں بغداد جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لیے کہ امید ہے کہ وہ نسبتاً بصر میں

واپس آجائیں گے۔"

نصرانی: شکریہ کی ضرورت نہیں۔ میں نے آپ کو ان لوگوں کے حالات کا جو پایا
جو کچھ جانتا تھا بتا دیا۔ یہ کہہ کے لبنانی خادم مسجد چلا گیا اور ان لوگوں نے آپس میں کہا
اب یہاں ہمیں اپنے مقاصد کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہنا چاہیے۔ اب شہر کے باہر
پہاڑوں میں جہاں کوئی نہ ہوگا اطمینان سے بیٹھ کے گفتگو کریں گے۔"

ابوالہول: بے شک آباری میں ہر وقت اور ہر جگہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کوئی سن
نہ لے۔ اور اب ہم کو آج ہی مشورہ کر کے قرار دے لینا چاہیے کہ آئندہ کیا کارروائی
کریں۔ اس اطلاع کے بعد ہمارے لیے راستہ کھل گیا۔ اور طے کر سکتے ہیں کہ یہاں سے
کہاں جائیں اور کیا کریں۔"

ابن شمسون: آج نہیں کل۔ آج ہمارا یہ کام ہے کہ اس مقدس شہر اور اس محترم مسجد کی اچھی
طرح زیارت کریں۔ مسجد اقصیٰ میں پانچوں وقت کی نماز پڑھیں اور کل صبح کو فجر کی نماز کے
بعد پہلے اسی قبۃ الصخرہ کے نیچے بیٹھ کر اور صلا کی طرف مینڈول ہو اور صدق دل سے
رجوع کر کے باہم تجدید عہد کریں کہ جس کام کے لیے نکلے ہیں جب تک اسے پورا نہ کر لینگے
گھر نہ جائیں گے۔ اور ایک دوسرے کی رفاقت نہ چھوڑیں گے چاہے اس میں ہماری جائیں
بھی جاتی رہیں۔"

سب رفیقوں نے اس تجویز کو قبول کیا۔ چنانچہ رات کو یہ لوگ ایک کاروانسرا میں
ٹھہرے۔ کچھ رات رہے مسجد اقصیٰ میں اگر جماعت سے نماز پڑھی اور جب سب نمازی چلے گئے تو قبۃ الصخرہ
کے نیچے قسبیں کھا کھا کے سب عہد و پیمان کیا اور مسجد سے نکل کر سیدھے پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گئے
پہاڑ کچھ دور نہ تھے۔ بیت المقدس پہاڑوں ہی پر آباد ہے۔ باہر نکلے ہی
ایک سنان اور خاموش دادی مل گئی۔ جہاں کسی طرف سے بوئے انسان نہ آتی تھی۔
سب ایک پٹان پر بیٹھ گئے اور ابن شمسون نے کہا: "اب بتائیے ہمیں کیا کرنا چاہیے
ابوالہول: "تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ ابوالحوقل بغداد گیا ہے۔ ہم وہاں جا کر وہ واپس آئے گئے رات میں
آسانی سے اسکا کام تمام کر دے سکتے ہیں۔ مگر جب تک دو باتوں کا پتہ نہ لگ جائے فقط ابوالحوقل کے مارنے

سے ہمارا مقصد حاصل نہ ہوگا، میں اول تو عزیزہ مصر کے شوہر منصور کا پتہ لگانا ہے۔ دوسرے یہ دریافت کرنا ہے کہ ہنزادی جو لیا نا فارویہ کے محل میں کس طرح ہیں۔ اس نصرانی سے معلوم ہو کہ فارویہ ان پر عاشق ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو یقیناً ہنزادی پر اب پہلے سے زیادہ مظالم ہو رہے ہوں گے۔ وہ منظور نہ کرتی ہوں گی اور فارویہ زبردستی ان کو اپنی منگوا کر لانا چاہتا ہوگا لہذا اس ظالم حاکم مصر کے سنجہ بستم سے ان کو رہائی دلانا ہمارا سب سے اہم فرض ہے ایک رفیق، تو پھر آپ ہی بتائیے کہ ان مقصدوں کے حاصل کرنے کے لیے ہمیں کون سی مناسب تدابیر اختیار کرنی چاہیے۔

ابن شمسون: "منصور کی نسبت تو میرا خیال ہے کہ وہ غالباً افریقہ میں بھاگ گئے ہوں گے جہاں عبدالرحمن بن معاویہ نے باویہ گردی کر کے اندلس کی سلطنت حاصل کر لی تھی۔ اور بہت سے مفورین خلافت جا کر اپنی مراد کو پہنچ گئے ہیں۔ لہذا ہم میں سے تین آدمیوں کو ان کی تلاش میں ملک مغرب افریقہ و سوس اقصیٰ کا سفر کرنا چاہیے دو آدمی یہیں ارض فلسطین میں ٹھہریں تاکہ جب ابوالحوقل واپس آنے لگے کسی منزل میں موقع پا کر اس کو قتل کر ڈالیں۔ اور ایک آدمی کو بغداد جا کر پتہ لگانا چاہیے کہ وہاں مصر کی بابت کیا کاروائیاں ہو رہی ہیں۔ ابوالحوقل وہاں کیا کرنے کو گیا۔ کن سازشوں میں مصروف ہے اور کس ادھیڑ بن میں ہے۔ اس کا یہ کام بھی ہوگا کہ اپنے رفیقوں کو جو یہاں ہوں خبر دیتا رہا ہے کہ ابوالحوقل کب واپس آئے گا۔ اور اس ملک میں کس راستے سے گزرے گا۔"

ابوالہول: بے شک یہ نہایت مناسب تجویزیں ہیں۔ مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ ہنزادی کو فارویہ کی قید سے چھڑانے کے لیے کیا تدبیر کی جائے۔

ابن شمسون:

اس کے لیے ہم یہ کریں کہ شام کے مختلف لوگوں کی طرف سے چار پانچ سو فرضی خطوط مصر کے تاجروں اور عام لوگوں کے نام پر بھیج دیں۔ اور اس میں لکھیں کہ ابوالحوقل ہنزادی عزیزہ مصر کو فارویہ کے محل میں پہنچا آیا ہے اور فارویہ ان کے شوہر کے جیتے جی زبردستی ان کو اپنی جو رو بہنا کے اسلام کے دامن میں بدنام دھبہ لگانا اور نہایت

ہی شریہ النفسی کے ساتھ شہزادی کی آبرو لینا چاہتا ہے۔ ان خطوط کے جاستے ہی فسطاط میں آگ سی لگ جاتے گی۔ اور خارویہ سے عام تقاضا شروع ہو جائے گا کہ بتاؤ شہزادی کو تم نے اپنے محل میں کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ یقین ہے کہ مصر کی عام شورش سے شہزادی کو انکار کرنے میں مدد مل جائے گی۔ اور خارویہ کو ان پر علانیہ سختی کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔

یہاں تک کہ عباسی شہزادہ منصور آ کے موجود ہو جائے۔ ابن الحوقل مار ڈالا جائے اور خارویہ میں اتنی قدرت نہ رہے کہ شہزادی کو ان کے شوہر کے حواسے کرنے میں تامل کرے۔“

ایک رفیق :

اور خارویہ کو زیادہ مشکل میں پھنسانے کے لیے یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابو الحوقل کو قتل کر کے ہم یہ مشہور کر دیں کہ ہم نے اس کو باغرا اور وصیف کے کہنے سے قتل کیا ہے تاکہ خلافت کے ساتھ خارویہ کے تعلقات خراب ہو جائیں۔“

ابو الہول : ”اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔“

یہ سب تجویزیں تھوڑی سی بحث کے بعد طے ہو گئیں۔ اور قرار پایا کہ ابن شمسون دور فیقوں کو اپنے ہمراہ لے کے افریقہ میں چلا جائے۔ ابو الہول ایک رفیق کے ساتھ ارض فلسطین میں ٹھہر کے ابو الحوقل کی کارگزاریوں اور خلافت و ولایت مصر کے تعلقات کا پتہ لگا لگانے کے ابو الہول کو مطلع کرتا رہے۔ اور اس سے بھی آگاہ کر دے کہ ابو الحوقل کب واپس روانہ ہوگا۔ اور کس راستہ سے گزرے گا۔

ان مراتل کے طے ہونے اور فرائض کے قرار پانے کے بعد یہ لوگ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر اپنے اپنے ذمے کی خدمتیں انجام دینے کو روانہ ہو گئے۔“

ظالم عاشق اور مظلوم معشوقہ

امیر خارویہ اور شہزادی عزیزہ مصر دونوں بیٹروں کے شکار کا تماشا دیکھ کر سدھنت کے اس قدیم رُفنا باغ میں آئے ہیں جس میں ہم نے اکثر خارویہ کو حوض سیلاب کے اندر ہوائی کشتی میں بیٹھے دیکھا ہے۔ اس کا چاہتا شہزادہ زریق ساتھ ہے جس کو دیکھ کر شہزادی ہنسی جاتی ہے۔ اور خارویہ اسے چمکار چمکار کے دھکیا کر رہا ہے۔ آخر جو لیانا لے گیا۔ اس کی شہزادی کے ساتھ رہتے ڈرتی ہوں۔ وحشی جانور کا کیا اعتبار اسے اختیار سے باہر ہونے کتنی دیر لگتی ہے!"

خارویہ: "شہزادی مجھے اس کا جس قدر اعتبار ہے کسی انسان کا نہیں۔ انسان و غابا بازی کرتا ہے۔ نہ ہر دیتا ہے۔ بدبھدی کرتا ہے۔ فریب دے کے مارتا ہے۔ اور اسکو نہ مکاری آتی ہے۔ نہ و غابا بازی۔ ہاں اس کا ایک غصہ البتہ ڈرنے کی چیز ہے مگر میں نے اس کو اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ میں ماروں پٹیوں نوحوں جھنجھوڑوں جو چاہے کووں یہ ہرگز نہ کرے گا۔ میرے دل میں تو انسان کی اس قدر بے اعتباری اور اس پر اتنا بھروسہ ہے کہ میں اپنے بہادر زریق سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ یہ دن کو میرے قریب بیٹھا رہتا ہے اور رات کو میرے پلنگ کے گرد چکر لگا کے پیر دیتا ہے یہ فقط آپ کے حسن اور آپ کی دلکش اداؤں کا اثر ہے کہ اس کی رفاقت و صحبت کو چھوڑ کے میں آپ کے پاس چلا آتا ہوں۔ خیر اب اس وقت جی چاہتا ہے کہ اس چاندی کے دریا میں ہوائی مندر پر آپ کو بٹھاؤں۔ یہ روئے عالم تاب اور لہراتے والی پُرج نیلیں دریائے نیل میں عجب بہاؤ دکھائیں گی معلوم ہو گا کہ کوئی سیسہ حور اپنے پورے عالم

نور کے ساتھ دنیا میں آگئی۔

جولیاننا: ہمیں اس کشتی نما مسند پر جو چاندی کے پانی پر تیر رہی ہے میں نہیں بیٹھ سکتی یہ جگہ خاص آپ کے لیے ہے۔ اور آپ ہی کو زیب دیتی ہے۔“
 خارویہ: ”اے میری حور طلعت نازنین میں اپنی جگہ پر تجھے بٹھا کر اپنی زندگی اور اپنی ساری دولت و حشمت تیرے سپرد کر دینا چاہتا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ تو مصر کی قدیم مکہ قلوپٹرہ بنے اور میں رومہ اکبریٰ کا النطونی بن جاؤں جس طرح قلوپٹرہ اپنی مطلقہ مذہب کشتی میں بیٹھ کر آئی تھی اور النطونی نے اسے اپنے آغوش شوق میں لے لیا تھا اسی طرح میری تمنا ہے کہ تجھے اس دریا نے سیمیں کی کشتی میں ناز و تمکنت سے بیٹھے دیکھوں اور دوڑ کے لیٹ جاؤں۔“

ان باتوں کو عزیزہ مصر جولیاننا نے کبیدہ خاطر کی کے ساتھ سنا اور چہیں چہیں ہو کر بولی: ”امیر مصر۔ اس قسم کی باتوں سے اپنی زبان برو کیے رہیں وہ نہیں ہوں جو اپنے شوہر کے سوا کسی اور شخص سے اپنے حسن کی تعریف ہننا پسند کرے۔ میری صورت بڑی یا بھلی جیسی ہو جس کے لیے تھی اس کی ہو گئی میں مصر کی فاحشہ و فاجرہ مکہ قلوپٹرہ نہیں ہوں بلکہ فلسطین و عرب کی مکہ زوربیہ ہوں جس نے اپنے شوہر کی محبت پر سلطنت و حشمت اور دولت و عزت سب چیزیں نچھدی تھیں۔“

خارویہ: اچھا اگر تمہارے شوہر منصور زندہ نہ نکلتے تب تو تم میرے عشق کو قبول کر سے گی۔“
 جولیاننا: (جوش و طیش کے ساتھ) ہرگز نہیں۔ میں ہندوستان کی بیوہ کی طرح اسی شوہر کے نام پر جیوں گی جس نے محبت سے میرا ہاتھ پکڑا تھا اور اسی کا نام لیتی ہوتی مر جاؤں گی۔“
 خارویہ: ”مگر یہ ظلم ہوگا۔ اور تم تو خدا کے فضل سے ظالم نہیں رحم دل ہو۔“
 جولیاننا: ”امیر خارویہ۔ مجھے آپ کے محل میں آنے برس بھر ہو گیا۔ اس مدت میں آپ ہمیشہ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے اور میں پہلے اشارہ و کنایہ ان بے شرمی کی باتوں سے رد کرتی رہی اور جب دیکھا کہ آپ کسی طرح باز نہیں آتے تو صرف صاف صاف الفاظ میں سمجھایا اور منع کیا۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ اس کا بھی آپ پر اثر نہیں ہوتا۔“

خارویہ: "میں اپنے دل کے ہاتھ سے مجبور ہوں۔"
 جولیانا: غالباً انہیں باتوں کی بدولت فسطاط کے لوگوں میں ہر ایک کی زبان پر ہے کہ
 آپ زبردستی مجھے اپنی جو روٹنا چاہتے ہیں جس کو میں نے اپنی کینزوں اور اپنے
 وفادار غلاموں سے بار بار سنا۔ مگر ہمیشہ یہی خیال کیا یہ بالکل غلط افواہ ہے۔ اور اکثر اہل
 مصر نے مجھ سے اس کی تصدیق چاہی تو صاف کہہ دیا کہ یہ خیر کسی مفسد نے اڑائی ہے۔
 مگر آپ اپنے طرز عمل سے اس کو سچ ثابت کر رہے ہیں۔ اور مجھے شبہ ہوتا ہے کہ
 آپ ہی نے یہ افواہ مشہور نہ کی ہو۔"

نہزادی کے یہ الفاظ خارویہ کو ناگوار گزرے اور کہا "تو پھر اب آپ اس افواہ کی
 تصدیق کر دیکھئے۔"

جولیانا: "میں نے اگر تصدیق کر دی تو آپ کو مصر میں ٹھہرنا دشوار ہو جائے گا۔"
 خارویہ: (برہمی کے لہجے میں) "میں کوئی کمزور حاکم نہیں ہوں۔ میرے گرد شہروں کا پہرہ ہے
 مجھے کوئی ابن ببرد نہ سمجھ لے۔ جس طرح لوگوں نے اس پر نرغہ کیا تھا اسی طرح انکراہوں نے
 مجھ پر حملہ کیا تو میرے شیر ہر بلوائی کو چیر مچھاڑ کے ڈال دیں گے۔"
 جولیانا: "مصر والوں سے نہیں خدا سے ڈریئے جس کے غضب کو نہ شیر روک سکتے ہیں۔
 نہ انسان۔ اور آپ مجھ پر برہم نہ ہوں۔ میں فقط اپنے شوہر کا پتہ لگنے کی امید میں یہاں پڑی
 ہوئی ہوں۔ کمبخت ابوالمخول بغداد میں جا کے مر گیا۔ کسی طرح آہی نہیں چکتا۔" یہ کہہ کے جولیانا
 بولی "خیر اب میں اپنے مکان جاتی ہوں۔"

خارویہ: (برہمی کے ہوش کو دبا کر) اچھا پھر آنے کا وعدہ کرتی جاؤ۔"
 جولیانا: آنے کیوں نہ لگی۔ جب تک آپ کے محل میں اور آپ کے بس میں سول خواہ مخواہ
 آؤنگی۔ میں بھی آؤں گی اور آپ بھی میرے پاس آئیں گے۔ مجھ بد نصیب میں آپ سے
 نہ ملنے کی قدرت کہاں جو آنے جانے سے انکار کروں۔"

خارویہ: تم میں سب طرح کی قدرت ہے۔ اور تم کو اس سے انکار نہ ہوگا کہ میں نے
 تمہاری آزادی میں کبھی فرق نہیں ڈالا اور نہ کسی قسم کی زبردستی کی۔"

جولیاننا: "اس کو میں مانتی ہوں، اور آپ کی شکر گزار ہوں" یہ کہہ کے جولیاننا باغ سے نکل کے اپنے سفید فخر پر سوار ہوئی جو اس کی سواری میں رہا کرتا تھا اور شہر کے اس قصر کی راہ لی جس میں مقیم تھی۔

خارویہ نے اس کے جانے کے بعد کو تو ال ابن الدغنة کو بلوایا اور جیسے ہی وہ سامنے آیا کہا بتاؤ شہر کا کیا حال ہے؟ تم کو پتہ لگا کہ جولیاننا کے یہاں آنے اور اس پر ظلم و تشدد ہونے کی خبر کس نے اڑائی ہے؟

ابن الدغنة: حضور امیر میں نے بے انتہا جستجو کی اور برائے زسانی میں بہت تگ و دو کی، مگر وہی ثابت ہوا جو پہلے معلوم ہوا تھا کہ یہاں بہت سے لوگوں کے نام پر شام و فلسطین کے خطوط آئے ہیں جن میں یہ قصہ لکھا ہوا ہے۔

خارویہ: "وہ مک بھی تو ہمارے ہی قلمرو میں ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے وہاں کے حاکموں اور عاملوں کا انتظام بہت ہی بگڑا ہوا ہے۔" یہ کہتے ہی اپنے دیوان یعنی منشی کو بلوا کے حکم دیا کہ کھو منشی بیٹھ کر لکھنے لگا اور خارویہ نے یہ عبارت لکھائی: "از جانب قرانزوائے مصر و شام و عرب امیر خارویہ ابقاہ اللہ بالجمال والجلال و العزۃ والکمال نام جلدہ عاملان و حاکمان بلاد شام و فلسطین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، معلوم ہوتا ہے تمہارا علاقہ متقنی فتنہ انگیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور شریر النفس بد معاشوں نے تمہارے شہروں کو اپنا بلجا و ماویٰ بنا رکھا ہے۔ تمہارے علاقہ سے یہاں کے ادنیٰ اعلیٰ لوگوں کے نام پیہم اس مضمون کے خطوط چلے آتے ہیں کہ شہزادی عزیزہ مصر میرے قصر میں ہیں۔ ان کے شوہر زندہ موجود ہیں۔ اور میں جو دوستم سے زبردستی ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ حالانکہ یہ بالکل بے بنیاد قصہ ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں اور بجز اس کے کہ رعایا نے فسطاط و مصر اپنے عدالت پرورد والی کی طرف سے بدظن کی جائے اس مراسلت کا کوئی اور مقصد نہیں نظر آتا ہے۔ لہذا حکم دیا ہے کہ جن شہریوں نے ایسے خطوط لکھے ہوں وہ فوراً گرفتار کر کے فسطاط میں بھیجے جائیں تاکہ یہاں تک کہ ان کی تشہیر کر کے رعایا نے فسطاط کو اطمینان دلایا جائے کہ یہ بے بنیاد خبر ایسے

مقنیوں نے محض اس غرض سے شائع کی ہے کہ بادشاہ اور رعایا کے درمیان ناگوار مخالفت پیدا ہو اگر ہمدیہ بھر کے اندر مجرم پکڑنے لیئے گئے تو میں خود وہاں پہنچ کر نالائق و ناکارہ حالتوں اور دالیوں کو سخت اور عبرت ناک سزا دوں گا۔

اس مسودے کے تیار ہوتے ہی خارویہ نے حکم دیا کہ ان کی بہت سی نقلیں کرائی جائیں۔ اور ان کے تیار ہوتے ہی ایک ایک نقل کل دالیوں اور غالموں کے نام میرے دستخط سے جاری کر دی جائے۔ اس کارروائی سے جیسے ہی فراغت ہوتی چوہدرار نے آکے ایک خط پیش کیا جس کو خارویہ نے کئی بار پڑھ کے رکھ دیا۔ پھر منشی وغیرہ کو رخصت کر دیا۔ اور جب ابن الدغنے کے سوا کوئی نہ رہا تو اس کی طرف دیکھ کر کہا "افسوس ابوالموتل کو ابھی تک واپس آنے کا موقع نہیں ملا۔"

ابن الدغنے: "علام کو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ وہاں جا کر بیٹھ کیوں رہے؟ خارویہ: وہ وہاں بے کار نہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بڑا اہم کام انجام دے رہے ہیں میں نے انہیں بھیجا تھا کہ بغداد کے امراء کے ترک کو میرے موافق بنا لیں اور یہ جو وہاں سے روز طرائی کی دھکی آیا کرتی ہے موقوف ہو۔ مگر باغراور وصیف اس قدر بندہ طمع اور خود غرض واقع ہوئے ہیں کہ مطلق سماعت نہیں کرتے۔ برابر یہی کہے جاتے ہیں کہ ابن مبرد اور حیل کے قاتلوں اور باغراور پر حملہ کرنے والوں کو جہاں سے بنے حاضر کرو۔ ان لوگوں کے خون کا انتقام خود مجھے لینا چاہیے۔ ان لوگوں کو اس سے کیا غرض؟ قاتل ملتے تو میں خود پکڑ کے ان کو سزا دیتا۔ مگر نہ ملیں تو کیا کروں؟ لیکن ضدی ترکان بغداد کوئی عذر نہیں سنیے۔ آخر ابوالموتل نے عاجزا کر مجھے راز میں یہ خط بھیجا ہے۔ میں وہی خط تم کو سنائے دیتا ہوں۔ تم کو سب حالات معلوم ہو جائیں گے۔"

اب خارویہ نے وہ خط سنانا شروع کیا جو حسب ذیل تھا۔ میرے آقلے نامدار میں نے بہت کوشش کی مگر یہ لوگ راہ پر نہیں آتے۔ اب ضرورت ہے کہ مصر کی فوج خوب مضبوط اور آراستہ کی جائے اور آپ مقابلے کے لیے تیار رہیں۔ میں اب بھی جہاں تک بنے گا طرائی کو ٹالوں گا۔ لیکن اگر کسی طرح ٹالے نہ ٹلی تو اطلاع دے دوں گا کہ حضور فوراً اپنا

پھٹ کر لے کر ملک شام میں آکر دمشق میں فروکش ہو جائیں۔ میں نے یہاں یہ حکمت عملی اختیار کی ہے کہ ایک طرف تو وصیف و باغز سے تعلقات بڑھائیتے ہیں اور ان کا ایسا دوست بن گیا ہوں کہ خود ہی ان کو مشورہ دے کر مقابلے پر لے آؤں گا۔ دوسری طرف تمام سرداران فوج سے ربط ضبط پیدا کر کے انہیں سرداران ترک کا ایسا دشمن بنا دیا ہے کہ امید ہے کہ سب آپ کے شریک ہو جائیں گے اور باغز و وصیف اتفاقاً سچ بھی گئے تو اس ناکامی پر زندگی بھر اپنی بوٹیاں کاٹیں گے۔ اصل یہ ہے کہ ترکوں میں سے ہر ایک روپیہ کا خواہاں ہے اور اسن لالچ میں یہ اپنے خلیفہ اپنے آقا اپنے سردار اور اپنے دوست ہر ایک کی جان لینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ان کے ہاتھوں سے کئی خلیفہ مارے گئے۔ بہت سے سرداروں اور رئیسوں کی جانیں گئیں۔ اور جو ہم ہوتی ہے اس میں ترک سپاہیوں کو یہی لالچ دلایا جاتا ہے کہ لوٹ میں بہت سی دولت ہاتھ آئے گی۔ چنانچہ مہر پر حملہ کرنے کا ارادہ بھی اس مقصد سے ہے۔ ساری قلمرو میں اس درجہ بد نظمی ہے کہ خزانہ مطلق نہیں وصول ہوتا۔ لہذا ان ترکوں کی زندگی کا سارا دار و مدار لوٹ مار پر ہے اور جو روپیہ دے اس کے غلام ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ خلافت کے خزانے میں اتنا نہیں ہے کہ ان کو شاہرہ دیا جاسکے۔ یہ حالت دیکھ کر میں یہ تدبیر کی کہ اپنی طرف سے روپیہ کا لالچ دلا دلا کے افسران فوج کو اپنا بنا لیا ہے۔ میرے پاس جو کچھ تھا ان کے حوالے کر دیا۔ چار پانچ لاکھ دتیار اور بھیج دیے جائیں تو حضور کو ان سے جتنی مدد ملے گی خود اپنے سپاہیوں سے نہ مل سکے گی۔

جان نثار دولت ابوالحوقل

یہ خط سن کر ابن الدغنے کو حیرت ہو گئی۔ اور بولا "ابوالحوقل ہونے کو تو ایک تاجر آدمی ہیں۔ سیاست مدن سے ان کو کچھ تعلق نہیں۔ مگر اس سفارت میں انہوں نے وہ کام کیا جو کسی بڑے سے بڑے مدیر بھی نہ ہو سکتا۔"

خارویہ: "اسی وجہ سے تو مجھے ان پر جتنا بھروسہ ہے کسی پر نہیں۔ خیر اب تم بتاؤ کہ اس بارے میں کیا کارروائی کی جائے؟"

ابن الدغنے: "غلام کے نزدیک تو حضور فوراً پانچ لاکھ دتیار ابوالحوقل کے پاس بھیج دیں"

اور سپاس ہزار شکر نیا بھرتی کر کے تیار کر لیں۔“

خارویہ: ”میری بھی یہی رائے ہے۔ مگر فوج کی تیاری اور بھرتی کا کام میں تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔“

ابن الدغنه: میں اپنی ضبطیہ فوج کی تعداد ایک مہینے کے اندر دگنی کر دوں گا اس وقت پانچ ہزار سپاہی ہیں دس ہزار ہو جائیں گے۔ مگر جنگی فوج کو حضور اپنے سرداران فوج ہی کے ذریعہ سے تیار کر انیں۔ پولیس اور جنگی فوج کا ایک ہی شخص کے قبضے میں رہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

خارویہ: ”اچھا ان لوگوں کو بھی بلا کے حکم دے دوں گا۔ لیکن خبردار کسی کو نہ معلوم

ہونے پائے کہ یہ فوجی تیاری کس غرض سے ہے۔“

ابن الدغنه: ”انشاء اللہ کسی کو اس کی خبر نہ ہوگی۔“

خارویہ: اور ہاں ایک اور مصیبت میرے سر پر اڑی ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں تہزادی عزیزہ مصر کے شوق وصال میں نہایت بے تاب ہو رہا ہوں۔ جب تک یہ آرزو نہ پوری ہوگی مجھ سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ اور اب تو یہ حال ہو گیا ہے کہ بغیر اس کے مجھے

اپنی زندگی دشوار نظر آتی ہے۔ مگر اس سنگدل نازنین کا یہ حال ہے کہ کسی طرح راضی نہیں ہوتی۔“

ابن الدغنه: ”یہ البتہ مشکل امر ہے خصوصاً جب سے یہ جعلی خطوط آئے ہیں اور فسٹاٹ کے خاص و عام خصوصاً بازاری لوگوں میں طرح طرح کی افواہیں مشہور ہوئیں یہ واقعہ زیادہ نازک ہو گیا ہے۔“

خارویہ: ”تو تم یہ نہیں کر سکتے کہ رعایا نے فسٹاٹ کو سمجھا بچھا کے میرے موافق بنادو یا کم از کم اتنا ہو کہ وہ لوگ میرے اور جو لیا نا۔ کے معاملے سے بے تعلق ہو جائیں۔“

ابن الدغنه: ”یہ ابھی دشوار ہے۔ بلکہ دھراک مہینے سے اور بہت ہی دشوار ہو گیا ہے اس لیے کہ سنا جاتا ہے تہزادی کا شوہر منصور افریقہ میں زندہ موجود ہے۔ ابن برد اور جیل کے قاتلوں نے اسے ڈھونڈ کر پیدا کر لیا۔ اور اس کو عنقریب یہاں لانے

وا لے ہیں تاکہ اہل فسطاط کی حمایت میں یہاں قیام کر کے اپنی بیوی کو آپ سے طلب کرے۔

خارویہ: ”مجھے اس کا یقین نہیں آتا میں جانتا ہوں کہ یہ بھی ایک بے بنیاد افواہ ہے۔ اور انہیں لوگوں کا کام ہے جو شہزادی پر میرے ہاتھ سے ظلم ہونے کی خبریں شائع کر رہے ہیں مجھے تو تحقیق کے ساتھ معلوم ہو چکا کہ منصور گرفتار ہو کے بغداد گیا اور سرداران ترک نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اگرچہ اس کے مارے جانے کی ابھی پوری تصدیق نہیں ہوئی۔ مگر یہ بھی غیر ممکن ہے کہ سخت گیر ترک سرداران بغداد کے ہاتھ میں گرفتار ہو جانے کے بعد کوئی زندہ بچ سکے۔“

ابن الدغنے: ”غلام کا بھی یہی خیال ہے۔ مگر اس افواہ نے اہل فسطاط میں شہزادی کے شوہر کے زندہ ہونے کا خیال تو پیدا کر دیا۔ بہر تقدیر ضرورت ہے کہ جس خطرناک معاملے کو ابوالموکل نے لکھا ہے۔ جب تک اس میں یکسوئی نہ ہو جاتے۔ اور حضور و صیف و باغیر کا جھگڑا مٹانہ لیں شہزادی کی مرضی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ اگر آپ نے جو یانا کو ذرا بھی ناراض کیا اور شہر میں افواہ مشہور ہے اس کی جھوٹی بھی تصدیق ہو گئی تو فوج کا بھرتی ہونا غیر ممکن ہو جائے گا۔ اور فوج جو جمع ہوگی کیا عجب کہ وہ بھی عوام اناس کے فقروں میں آکر حضور کے خلاف ہو جائے۔“

خارویہ: ”مگر میں کب تک صبر کروں۔ میری بد نصیبی سے لوگوں نے شامت زدہ منصور کو بھی زندہ کر کے کھڑا کر دیا۔“

ابن الدغنے: ”انہیں دشواریوں کے خیال سے شہزادی کے معاملے کو بغداد کی آئندہ مہم پر اٹھا رکھنا ضروری ہے بلکہ اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ حضور شہزادی کو پورا اطمینان دلا دیں کہ ان سے بالکل درست بردار ہو گئے۔“

خارویہ: ”اچھا دل پر جبر کر کے اس کو گوارا کروں گا۔ مگر یہ تو نہ ہو سکے گا کہ شہزادی کو مطلق العنان کر دوں۔ یا ایک گھڑی کے لیے بھی انہیں اپنے سے جدا کروں۔ بھاگ گئی تو کیا کروں گا اور کیسے میری زندگی ہوگی؟“

ابن الدغنه: "غلام کے نزدیک تو اتنی احتیاط بھی اس وقت خلاف مصلحت ہے۔
لیکن اگر حضور سے یہ نہیں ہو سکتا تو ہنزا دی کا دل ہاتھ میں لیے رہیں اور ان کو اپنے سے
ناراض نہ ہونے دیں۔"

خارویہ: "یہ بھی غیر ممکن ہے۔ نہ مجھ سے یہ ہو سکے گا کہ اس ظالم دلربا کے سامنے
اپنی بے تابیاں نہ ظاہر کر دوں۔ اور نہ یہ امکان میں ہے کہ وہ ان باتوں سے ناراض
نہ ہو۔ خیر جہاں تک بنے گا ہمارے کہنے پر عمل کروں گا اور جو لیا ناکو بظاہر ایک
حصہ تک آزاد رہنے دوں گا۔ اچھا اب تم جا کے عوام کے خیالات کی اصلاح
اور فوج بھرتی کرنے کی کوشش کرو۔ میں کل بغداد میں روپیہ بھیج دوں گا۔ اس
گفتگو کے بعد ابن الدغنه رخصت ہو کے اپنے گھر گیا اور خارویہ اپنے محبوب
خیر زریق سے کھلتے میں مصروف ہو گیا۔"

منصور کی واپسی

گزشتہ واقعہ کو دوہینے گزر گئے۔ بہار کا موسم ہے۔ اور عصر کا وقت اور دمشق کے گرد و پیش کا سرسبز و بہشت آئین خطہ زمین ہے جو اپنے بانگوں میں میووں اور مرغزاروں کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور ہے اور غوطہ دمشق کہلاتا ہے۔ موسم بہار نے یہاں کے پتے پتے میں ایک دل کشی پیدا کر دی ہے۔ عروس بہار جو بنوں پر ہے۔ باہم میوؤں سے بھرے ہوئے ہیں۔ کھیت لہلہا رہے ہیں۔ مرغزار فردوس بریں کے میدانوں کی تصویریں دکھا رہے ہیں۔ اور ان کے اندر ہر طرف صد ہا نہریں جاری ہیں جو شباب سے بھرے نو نہال ان جن کی آئینہ دار کر رہی ہیں۔

انہیں میں سے ایک مرغزار میں ایک شفاف و پاکیزہ نہر کے کنارے ہمارے شناسا ابوالہول ابن شمسون اور ان کے رفقا بیٹھے ہوئے ہیں اور انہیں کے ساتھ شہزادی جو یانا کا شوہر عباسی شہزادہ منصور بھی ہے سب نے چمنہ کے پانی سے وضو کیا۔ بنبرے کے فرش زردین پر جماعت سے عصر کی نماز پڑھی اور بیٹھ کر بائیں کمرے لگے، ابوالہول نے منصور کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ خوب مل گئے۔ ابن شمسون نے واقعی بڑا کمال کیا کہ آپ کو ڈھونڈ نکالا"

منصور: "بالکل اتفاق تھا کہ ان سے ملاقات ہو گئی۔ میں شہر سوس میں ہمان نواز قبیلہ زناتہ کا ہمان تھا کہ یہ وہاں پہنچے۔ اور دو ہی چار روز کے بعد ایک صحبت میں مجھ کو پہچان لیا اور اسی دن شام کو مل کر اپنے آنے کا سبب بیان کیا۔ میری یہ حالت تھی کہ اپنے سائے تک سے بھی بھڑکتا تھا اور مشرق دنیائے اسلام سے اسی درجہ خود زدہ تھا کہ یہاں کسی آدمی سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ مگر انہوں نے کچھ ایسی سچائی کی شان اور خلوص

کے انداز سے مجھے یہاں آنے کا مشورہ دیا کہ انکار کرتے بھی نہ بنی۔ زنا تہ واسے مجھے کسی طرح آنے نہ دیتے تھے۔ مگر میں نے دل میں خیال کیا کہ شہزادی عزیزہ مصر کے فراق میں جینا بے مزہ ہے۔ اس زندگی سے مر جانا بہتر ہے اور مرنا ہے تو اپنی محبوبہ شہزادی کی جستجو اور ان کے آزاد کرنے کی کوشش میں مرنا چاہیے۔ بس یہی خیال مجھے لے آیا اور نہ اب میرے لیے عراق و عرب اور شام و مصر میں کوئی لطف نہیں باقی رہا ہے۔ اس خبر نے کہ شہزادی جو لیا ناخارویہ کے محل میں ہیں اور وہ زبردستی ان کی آبرو لینا چاہتا ہے مجھ میں پر لگا دینے۔

ابوالہول : ہم سب نے عہد کیا اور خاص قبة الصخرہ کے نیچے مسجد اقصیٰ میں بیٹھ کر قسم کھائی تھی کہ جب تک آپ کو ڈھونڈھ کر شہزادی کو عزت و آبرو سے آپ کے اغوش میں نہ پہنچا دیں گے اور مکار و موزی بد معاشوں سے انتقام نہ لے لیں گے دم نہ لیں گے۔

منصور : "میرے حق میں خدا نے تم دوستوں کو فرشتہ رحمت بنا دیا۔" ابن شمسون : یہاں لوگ ہمارے بھی خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ اور ہم لوگوں کے لیے اشتہار دیا گیا ہے۔ اور پانچ ہزار دینار کا انعام مقرر ہے۔ مگر نہ خارویہ نے ہماری گرد پائی نہ باغرنے۔ اور اب ہم انشاء اللہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔

ابوالہول : "خدا نے کامیابی کا سب سامان فراہم کر دیا۔ فقط آپ کے آنے کی دیر تھی۔ کل جب سے آپ آگئے ہیں میرا دل بڑھ گیا ہے۔ اور یقین ہو گیا کہ ہم ضرور اپنے مقصد کو پہنچیں گے۔"

ابن شمسون : "یہ تو بتائیے کہ ہمارے افریقہ جانے کے بعد کیا واقعات پیش آئے اور آپ کیا کرتے رہے؟"

ابوالہول : "ہم نے وہ خطوط سارے مصر میں پھیلا دیے جن میں لکھا تھا کہ خارویہ شہزادی پر ظلم و جور کرتا اور زبردستی ان کی آبرو لینا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہم نے شام کی چند جن غورنوں کو خارویہ کے محل میں شہزادی کے پاس بھیجا اور ان سے معلوم ہوا کہ امیر مصر واقعی

۱۶۴
 ہنزادی کی آبرو کے درپے تھا مگر ہمارے خطوط نے مصر میں جو شورش پیدا کر دی تھی اس سے ڈر کر اپنے ارادے سے رُک گیا اور جس طرح پہلے ہنزادی پر علانیہ اظہار عشق کرنے لگا تھا اب نہیں کرتا۔

منصور: مجھے خارویہ سے ایسی امید تھی۔ میں تو اس کو ایک سعادتمند اور عدالت پسند نوجوان تصور کرتا تھا۔

ابوالہول: جی سب نیکی و عدالت پروری امیر ابن طولون پر ختم ہو گئی۔ ایسا اچھا حکمران مصر کو پھر نہ نصیب ہو گا۔

ابن ستمسوں: اس کے سوا آپ نے اور کیا کیا۔ بغداد میں کیا ہو رہا ہے؟ ابوالحوقل ابھی تک زندہ ہے یا ملا گیا؟

ابوالہول: ابوالحوقل ابھی تک بغداد میں ہے۔ اس نے بہت کچھ کوششیں اور سازشیں کیں مگر وصیف و باقر نے سماعت نہ کی۔ وہ اب تک اسی پر تلے ہوئے ہیں کہ یا ابن مبرود جیل کے قاتلوں کو حاضر کرو یا مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس کوشش میں جب اسے کامیابی نہ ہوئی تو ان دونوں ترک سرداروں کا دوست بن کر خارویہ کی مخالفت کرنے لگا اور اب اس کی یہ حالت ہے کہ ترک سپاہیوں اور افسروں میں بے روک روپیہ تقسیم کر رہا ہے اور باقر اور وصیف کو روز بھر اذیتا ہے کہ بہت جلد چل کے خارویہ پر حملہ کیجئے۔ ہمارا جو دوست بغداد گیا ہوا تھا ایک ہفتہ ہو اور پس آیا اسی سے یہ سب حالات معلوم ہوئے۔ اور وہ کہتا ہے کہ ہفتہ ہی دو ہفتے میں بغداد کا لشکر روانہ ہونے کو ہے۔ دوسری طرف مصر سے یہ خبر آتی کہ خارویہ سپاس ہزار لشکر کے ساتھ چل کھڑا ہوا کہ دمشق کے نواح میں ترکوں سے مقابلہ کرے۔ مجھے ان واقعات میں ابوالحوقل کا کوئی بڑا بھاری فریب معلوم ہوتا ہے مگر ہمارے لیے اچھا ہے۔ اس لیے کہ ابوالحوقل باقر و وصیف اور خارویہ سب یہاں جمع ہو جائیں گے۔

منصور: اور خدا کرے میری محبوبہ ہنزادی سزیرہ مصر بھی یہاں آجائیں؟

ابوالہول: وہ ہوں یا نہ ہوں ہم ان کو دشمنوں کے پنجہ ستم سے چھڑا کے اور جہاں ہوں گی وہاں سے لا کر آپ کے حوالے کر دیں گے۔ ہم نے اپنی کارروائی کا خاکہ بھی تیار کر لیا ہے جس پر اسی اہل بغداد کی لڑائی کے موقع پر عمل درآمد ہو گا۔

منصور: خدا آپ کے ارادوں میں برکت دے۔ شاید اسی خیال سے آپ پہلے
سے دمشق آگئے ہیں؟

ابوالہول: ابن شمسون کے جلانے کے بعد سے ایک مہینہ قبل تک میں ارض فلسطین
میں ٹھہرا ہوا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ ابوالحوقل آئے تو اس کی خبر لوں وہیں سے میں
جاسوس عورتوں کو مصر میں اور خارویہ کے محل میں بھیجا کرتا۔ اور وہیں سے بغداد کے حالات
کا پتہ لگایا کرتا۔ لیکن جب یہ سنا کہ دمشق میں مصر و بغداد کے لشکروں کا میدان جنگ
گرم ہوگا۔ اور ابوالحوقل بجائے مصر جانے کے لشکر بغداد کے ساتھ آکر خارویہ
کا مقابلہ کریں گے تو میں فوراً دمشق میں چلا آیا کہ اپنی کارروائیوں کا بندوبست پہلے
سے کر رکھوں۔ اور چونکہ معلوم ہوا تھا کہ آپ کا جہاز یا فامین نگر انداز ہوگا اس لیے
وہیں کے ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ جیسے ہی آپ سب صاحب ائیں میرا پتہ بتا کے
آپ کو دمشق روانہ کر دیں۔ اور سچ یہ ہے کہ آپ کے اور ابن شمسون کے نہ ہونے
سے مجھے اپنی ساری کارروائیاں ادھوری معلوم ہوتی تھیں۔ الحمد للہ کہ آپ تشریف
لے آئے اور خدا نے سب کام بنا دیئے۔ اب آپ اپنے کو کامیاب و بامراد
ہی سمجھیں۔

منصور: مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ اس معاملہ میں کیا تدبیر سوچی گئی ہے؟ اور
کامیابی کے لیے آپ نے کیا منصوبہ قرار دیا ہے؟
ابوالہول: اس کو آپ بجائے سننے کے آنکھ سے دیکھیں گے۔ اب مغرب کا وقت
آگیا ہے اور آفتاب غروب ہو گیا۔ لہذا مغرب کی نماز یہاں پڑھ کر ہم اپنی فرودگاہ
کو چلیں خوش نصیبی سے مجھے یہاں رہنے کے لیے مکان بھی اچھا مل گیا۔ جامع بنی
امیہ کے چھپے وہ ایک نہایت ہی پیچیدہ گلی میں واقع ہے۔ ایک دروازہ جامع کی طرف
ہے اور دوسرا اس کے عقب میں یہود کے محلہ میں نکلا ہے۔ دشمن ایک طرف پہنچ
جائیں تو ہم دوسری طرف سے باسانی بھاگ سکتے ہیں۔
اب اس نے مغرب کی نماز پڑھی اور اٹھ کے اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

قصے کا انجام اور خاتمہ

ابتداءً شب کا وقت ہے اور دمشق کا مشرقی میدان عظیم الشان مصری لشکر سے بھرا ہوا ہے سپاس ہزار فوج جس میں عربی، مصری، بربری، طرابلسی اور حبشی سپہ سالار ہیں کوسوں تک پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ درمیان میں ایک وسیع شاداب و پربہار خطہ زمین چھوڑ دیا گیا ہے۔ جس پر خاص خارویہ کے نیچے نصب ہیں۔ ان میں ایک عرض خیمہ جس کے گرد سرخ قاتوں کا حصار ہے حرم کی زانی صحبت کے لیے مخصوص ہے۔ اس خیمے میں اس وقت خارویہ سارے کپڑے پہنے اور پتلی سبک تلوار کمر میں لگائے ایک زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پہلو میں بائیں طرف ایک نقرئی کی کرسی پر شہزادی جویانا خاموش و متفکر بیٹھی ہے چار پانچ ماہ طلعت رومی کینزری سامنے دست بستہ کھڑی ہیں گردن خواجہ سراؤں کا پہرہ ہے۔ اور اس سے ذرا فاصلے پر ہر جانب شاہی گارڈ کے پانچ ہزار نبر و آزا پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں جن میں زیادہ تر طرابلسی و بربری عرب ہیں۔ خارویہ کے چہرے پر ایک امید و بہم کا اثر طاری ہے۔ اور کہہ رہا ہے کل سب کی قسمت کا حال کھل جائے گا۔ میں ایک ہفتہ سے انتظار کر رہا تھا کہ آج بہائم صفت دشمنوں کا لشکر بھی آگیا۔ اور کل قسمت آزمائی کا دن ہے یا تخت نصیب ہوگا یا تختہ۔ مگر خدا سے امید ہے کہ مجھی کو فتح نصیب ہوگی۔ اس لیے کہ میں حق پر ہوں اور دشمنوں کا مقصد لوٹنا مارنا خونریزی کرنا اور ایک بے آزار مملکت کو تباہ کرنا ہے صبح تڑکے ادھر سے ہم چلیں گے اور ادھر سے وہ۔ اور تڑکے ہی میدان کا زار گرم ہو جائے گا (شہزادی جویانا کی طرف دیکھ کر) مگر شہزادی آپ مجھے ملول و حزین نظر آتی ہیں، بیشک مجھ سے آپ کو ہمدردی ہے مگر پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں یہ آپ کا مترد و پتھرہ نہیں دیکھا جاتا اس کا کرنا یہ نہ سمجھیے کہ میں نے یہ جملہ کسی ناجائز شوق میں کہا ہے میں

تو ہمد کر چکا ہوں کہ اب کبھی آپ کے سامنے اظہار شوق نہ کروں گا۔ اور اپنے
اد پر فرض کر لیا ہے کہ اس لڑائی کے بعد ہی لے چل کر آپ کے شوہر سے ملا دوں
گا۔ جن کی نسبت تحقیق سے معلوم ہو گیا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ افریقہ میں صبح و سالم اور
زندہ و سلامت موجود ہیں۔“

جولیا نا: اس نوازش و رحم کی شکر گزار ہوں۔

خارویہ: مگر آپ خاموش کیوں ہیں؟ آپ خود ہی انصاف کریں کہ فقط آپ
کے کہنے سے میں اپنے جان نثار زریق اور تمام شیروں کو فسطاط میں چھوڑ آیا۔ آپ
نے کہا کہ اگر یہ شیر ساتھ رہیں گے تو میں نہ چلوں گی۔ مجھے خیال ہوا کہ جب تک آپ
ساتھ نہ ہوں گی کسی کام میں میرا دل نہ لگے گا اور میری ہمت پست رہے گی۔
اسی خیال سے اپنی جان کے ان محافظوں کو وہیں چھوڑا اور آپ کو انیس صحبت بنا
کے ساتھ لیا۔ اب آپ شگفتہ و لبشاش نہ رہیں گے تو کیسے کام چلے گا؟
جولیا نا: رچھے کو شگفتہ بنا کر میں آپ سے نہایت خوش اور لبشاش اور آپ کے
رنج و غم کی شریک۔ مگر ہاں جب یہ خیال آتا ہے کہ کل لڑائی کا دن ہے۔ خدا جائے
کون مارا جائے گا اور کون میدان سے زندہ بچ کے آئے گا تو پریشان ہونے
لگتی ہوں۔ لیکن آپ کی فتح ہم سب لوگوں کی فتح اور آپ کی مضبوطی ہم سب لوگوں
کی مضبوطی ہے اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ میرے کہنے سے آپ شیروں کو نہیں لائے
تو میرے حال پر بڑا بھاری احسان کیا۔ میں دل سے چاہتی تھی کہ اس لڑائی میں آپ کے
ساتھ جاؤں۔ میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے پہلو بہ پہلو رہوں بہادر
کی بہادری۔ جانبازوں کی جانبازی اور دشمنوں کی شکست و تباہی کا تماشا اپنی آنکھوں
سے دیکھوں۔ مگر زریق کے خوف سے دل ہار دیتا تھا۔ آپ نے یہ کہنا مان
کے مجھے سرفراز کیا۔ اور میرے دل کی تمنا پوری کر دی۔“

خارویہ: ”تو پھر مجھے کسی بات کا خوف نہیں۔ لڑائی میں آپ میرے ساتھ ہوں تو اللہ
میں سب مشکلوں پر غالب آجاؤں گا۔ اور ہاں اپنی وفادارہ مصاحبہ قہرانہ کو بھی لیتی آئیں جس
کے لانے کی آپ نے شرط لگائی تھی۔“

جولیاننا: ”جی ہاں وہ میرے ساتھ ہیں اور کل میدان جنگ میں وہ بھی میرے ہمراہ رہیں گی۔“

خارویہ: آپ نے بہت اچھا کیا کہ اسے ساتھ لے لیا۔ ایک زمانے میں وہ میری محبوبہ تھی مگر بعض اوقات اس سے ایسی درشت مزاجی ظاہر ہوتی ہے کہ مجھے اس سے نفرت سی ہو گئی شاید میری اس بے التفاتی ہی کے باعث وہ ادھر کئی سال سے اکثر ملول نظر آیا کرتی تھی۔ چنانچہ اس کا ملال دور کرنے کے لیے میں نے اس کو آپ کی صحبت میں دے دیا کہ آپ کا دل اس سے پہلے اور اس کے دل کا ملال آپ کی صحبت سے دور ہو۔ اور آپ کی شفقت و عنایت اس کے دل سے میری بے پروائی و بے توجہی کے صدمے کو بھلا دے۔ اس موقع پر یہ دیکھ کر مجھے بڑا اطمینان ہوا کہ آپ اس سے خوش ہیں اور وہ آپ سے خوش ہے۔ اور آپ دونوں کی خوشی دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہوتی ہے۔“

جولیاننا: ”وہ بڑے مضبوط دل کی عورت ہیں اور کہتی ہیں کہ لڑائی میں ہر موقع پر اور ہر حال میں میری سینہ سپر رہیں گی۔“

خارویہ: ”اس سے مجھ کو اور اطمینان ہو گیا۔ اب مجھے کل کی لڑائی کے متعلق بہت سے انتظامات کرنا ہیں۔ لہذا شہزادی اگر چہ جی نہیں چاہتا کہ آپ سے جدا ہوں مگر اسوں کو مجبور ہوں۔ اب آپ جا کے آرام فرمائیں اور کل تڑکے اٹھ کر میدان میں چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔“

یہ سنتے ہی جولیاننا اٹھ کر پاس کے خیمے میں گئی۔ اور خارویہ حرم کے سرخ خیمے سے نکل کر اپنے دربار کے خیمے میں آیا۔ تمام افسران منتظر ہی بیٹھے تھے فوراً یہ انتظامات شروع ہو گئے کہ لشکر مصر میں کون میمنہ کا کون میسرہ کا کون مقدمتہ انجیش کا کون قدام کا اور کون خلف یعنی عقب کی فوج کا سردار ہو۔ قلب کی سرداری خود خارویہ نے اپنے ذمے لی۔ اور اس پر غور ہونے لگا کہ لڑائی کیونکر اور کس طرف سے شروع کی جائے اور سب کے پہلے کون حملہ کرے۔

ان سب باتوں کا فیصلہ کر کے خارویہ خواب کے خیمے میں گیا۔ ساری رات لشکر میں تیاری جنگ کے لیے ایک شور مچا رہا۔ اور بہت کم لوگ تھے جن کی ایک

گھڑی کو بھی آنکھ لگی ہو۔

آخر سفید صبح نمودار ہوا۔ پانچ دین سپاہیوں نے اپنے اپنے حلقوں میں جماعت سے نماز ادا کی ہر طرف سے تکبیروں کے نعرے بلند ہوئے کہ لوگ تیار ہو کر اپنے جھنڈوں کے نیچے صف بستہ ہو جائیں۔ لشکر کے مرتب ہوتے ہی کوچ کا طبل بجا۔ اور فوج کے تمام حصے اپنی اپنی ترتیب سے روانہ ہوئے۔ تین میل گئے ہوں گے کہ مشرق سے آفتاب کی روشن کرنیں نمودار ہوئیں اور انہیں کے نیچے دشمنوں کا لشکر دکھائی دیا جس میں سیاہ علم خلافت عباسی کے دامن میں نیزوں کی نوکیں اور تلواریں بے شمار تاروں اور ہلالوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ دونوں لشکر اور قریب ہوئے اور جب درمیان میں ایک میل کی مسافت باقی رہ گئی تو دونوں حریف لشکر دم لینے اور سنبھل کر حملہ کرنے کے لیے چند منٹ کو ٹھہر گئے۔

اب ترکی باغرا اور اس کے پانچ رفیق باورفار ترکی گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے مہری صنفوں کے قریب آئے۔ اور باغرنے بہ آواز بلند کہا۔ خارویہ اہتمام حجت کے طور پر پھر تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ ابن مبرداوز جمیل کے قاتلوں کو حاضر کرو۔ یہ نہیں ہو سکتا تو اپنا سارا خزانہ ہمارے حوالے کر دو۔ اور تین دن کے لیے ہمیں شام و فلسطین و مصر کے لوٹنے کا موقع دو اگر یہ دو باتیں بھی نہیں منظور ہیں تو عساکر خلافت کے اسلحہ سے قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

اس کا جواب خارویہ نے بڑھ کر دیا کہ میں نے جو تمہاری جان بچا دی اور اپنے بہادر شیر ذریقہ کا لقمہ نہیں بنایا اس کا معاوضہ تم ناپاس لوگوں سے یہی ہے؟ تم بدعہد ظالم اور ناپاس ہو۔ لہذا خدا بھی تم کو چھوڑ کر ہم مصریوں کا ساتھ دے گا جو حق پر ہیں اور اپنی جان و آبرو کے لیے لڑنا چاہتے ہیں۔ بس اب زیادہ گفتگو کی ضرورت نہیں۔ میدان جنگ سفید کر دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر اپنے لشکر میں واپس آ جاؤ اور تمہارے پیچھے پیچھے ہم بھی آتے ہیں۔ یہ کہتے ہی خارویہ تکبیر کا ایک زبردست نعرہ بلند کر کے بڑھا اور اس کے ساتھ لشکر مصر نادق و قرتا اور طبل و جلاجل بجاتا ہوا چلا۔

باغرنے فوراً بھاگ کے اپنے لشکر کو حکم دیا اور دونوں جانب سے حملہ ہو گیا دونوں لشکروں کی کپڑ بہت ہی زبردست تھی معلوم ہوا کہ دو متلاطم سمندر ایک دوسرے

سے ٹکرانے اور موجیں ٹکرانے کے بعد منتشر ہو کر ایک دوسرے میں مل گئیں۔ تقریباً ایک گھنٹہ لڑائی ہوئی ہوگی کہ ابوالحوقل مصری جھنڈے کو ہوا میں اڑاتا ہوا شکر بغداد سے نکل کر مصریوں کی طرف چلا اور اس کے ساتھ آدھے سے زیادہ ترکی لشکر تھا جو دم بھر میں خارویہ کے علم کے نیچے پہنچ گیا اور جب ان لوگوں نے اور مصریوں کے ساتھ مل کر باغراوروصیف کے لشکر پر زور و شور سے حملہ کیا تو بغداد کے لشکر کی عجیب حالت ہو گئی۔ بعض لوگ بھاگ گئے۔ بعض چلے کہ اپنے رفیقوں کا ساتھ دیں جو مصریوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ بعض کمال اضطراب کے ساتھ اپنے دونوں سپہ سالاروں کی طرف دوڑے دونوں سپہ سالاروں باغراوروصیف کی یہ حالت تھی کہ بہوت و حیران کھڑے اپنے لشکر کا تماشا دیکھ رہے تھے مگر اس کی بھی زیادہ بہت نہ ملی۔ مصری لشکر جس میں خود ان کے بہت سے نامور بہادران ترک شریک تھے کہ نانا نانا ان کے سر پر آپہنچا۔ اور ان کے قدم کو بھی لغزش ہوئی۔ چنانچہ اپنی جان بچانے کے لیے یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ "افسوس! ابوالحوقل نے وغادی" آخر باقی ماندہ لشکر بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ مصریوں کے سواروں نے تعاقب میں ہزاروں سفورین کو قتل کیا اور پیدل فوج نے کمال اطمینان کے ساتھ اہل بغداد کی لشکر گاہ پر قبضہ کر لیا۔

جس وقت خارویہ باغراوروصیف کے پرتکلف شاہانہ خیموں اور ان کے ساز و سامان کو دیکھ رہا تھا شہزادی جو لیانا اور اس کی انیسہ و رفیقہ قہرمانہ بھی اس کے ساتھ تھیں۔ شہزادی عزیزہ مصر نے بہت سی چیزوں کو پہچانا جن کو ابن میرداس کے محل سے لوٹ کر لے گیا تھا۔ اس خیال پر جو لیانا کو بڑی عبرت ہوئی کہ کبھی یہ سامان حشمت میرے قصر میں تھا۔ ابن میرد جو لوٹ کے لایا تھا بغیر اس کے کہ اس سے تمتع حاصل کرے مارا گیا۔ اور یہ چیزیں ان ترک سرداروں کے گھر میں پہنچیں اب آج ان کے خیموں میں ان چیزوں کو مصری لوٹ لے رہے ہیں اور باغراوروصیف خدا جانے مارے گئے یا زندہ ہیں۔ اس خیال پر اس کی زگیں آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ جن کو خارویہ نے دیکھ لیا اور قریب آ کے شہزادی کو کہا "یہ خوشی ہونے کا وقت ہے نہ کہ رونے کا"

جولیا نا! بے شک یہ خوشی ہونے کا وقت ہے۔ مگر حد سے گزری ہوئی خوشی بھی آنکھوں

سے انسٹوٹیک پڑا کرتے ہیں۔ بعد ازاں تہزادی نے وہ چیزیں خارویہ کو دکھائیں اور ان کی عبرت ناک تاریخ بیان کی۔ خارویہ کو بھی اس پر تعجب ہوا اور کہا اچھا چلیے دیکھیں کہ آپ کے قصر کی کتنی چیزیں ان خمیوں میں ہیں۔ اب تہزادی نے خارویہ کے ساتھ پھر پھر کے امرائے ترک کے تمام خمیوں کو دیکھا تو بہت سی چیزیں مل گئیں فقط چند چیزیں رہ گئیں جنکا پتہ نہ لگا۔

اس رطائی نے زیادہ طول نہیں کھینچا۔ طلوع آفتاب کے وقت شروع ہوئی تھی اور پھر دن چڑھے فیصلہ ہو گیا۔ اس لیے کہ ابوالخوئل کی سازش نے بغداد کی قوت کو دم بھری تباہ کر دیا۔ بڑے بڑے بہادران ترک اور وصیف و باغز کے بھروسے کے سردار حاکم مصر کے طرف دار ہو گئے۔ اور خارویہ دشمنوں کے خمیوں کا معائنہ کر کے مفتوح شکر گاہ سے نکلا ہی تھا کہ اس ترکی لشکر نے جو اپنے مالکوں کو چھوڑ کے ادھر آ گیا تھا سامنے اُس کے فوجی آداب سے سلام کیا اور اپنے تمام علم جھکا کر اس کے قدموں پر ڈال دیے۔ خارویہ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا "وصیف و باغز کو تم سے شکایت ہوگی اور تمہیں بُرا کہتے ہوں گے۔ مگر میں تمہاری نیکی و حق شناسی کی داد دیتا ہوں۔ تم نے حق کا ساتھ دیا۔ اور اس راہ کو اختیار کیا جس میں خدا کی مخلوق کی فلاح و بہبود ہے۔ اپنے بے اصول و بے رحم آقاؤں کے ساتھ فتح حاصل کرنے میں تمہیں قتل و غارت اور خونریزی اور مردم کشی سے تھوڑی بہت دولت ضرور مل جاتی۔ اور اب تم کو اپنی حق پڑو ہی۔ راست بازی اور ہمدردی انسانی کا نہایت اچھا صلہ ملے گا۔ جو تمہارے حوصلے سے زیادہ ہوگا۔"

ایک افسر؟ خدا امیر کی عمر و دولت میں برکت دے۔ حضور کی عدالت گسٹری فیاضی اور نیک نفسی ہی کی تعریف سن کر ہم نے اپنے آپ کو حضور کی غلامی میں دے دیا۔ خارویہ: "اور امید ہے کہ تم مجھے اچھا اور رحم دل آقا پاؤ گے۔ اب بیوی اپنے پڑاؤ میں چل کے دربار کروں گا۔ اور اسی دربار میں تم کو اپنے اس حق پرستی کے منصفانہ طریقہ عمل کا انعام ملے گا۔"

بعض سرداروں نے چاہا کہ بڑھ کے نذریں پیش کریں مگر خارویہ نے اس سے روکا اور کہا وہیں دربار میں نذریں لی جائیں گی۔

۷۲
 اب اپنے مصری اور عظیم الشان ترک لشکر کے ساتھ خارویہ اپنے پڑاؤ میں گیا
 خیمہ کے آگے ایک وسیع شامیانے کے نیچے اس نے دربار کیا۔ دربار میں بھی شہزادی
 عزیزہ مصر رخ گلگوں پر نقاب ڈالے خارویہ کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اس کی
 ہمدرد ہمارے قہر مانہ اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ شہزادی اگر چہ اس وقت تک خارویہ کے ساتھ
 ساتھ ہی تھی اخلاقی طور پر مسکرا کر اس سے کہا "سب سے پہلے اس بے نظیر فتح
 پر میں آپ کو مبارک باد دیتی ہوں۔"

خارویہ: "آپ ہی کی مبارک باد اصلی مبارکباد ہے۔ اس لیے کہ میری سچی عزت وہ
 ہے جو آپ کے دل میں قائم ہو۔ اور جس طرح خدا نے مجھے یہ فتح اپنے بدخواہ
 دشمنوں پر دی ہے اسی طرح ایک نمایاں فتح آپ کے بے ہر دل پر بھی عطا کرے تو
 میں سمجھوں کہ واقعی خوش نصیب اور کامیاب ہوں۔"

جولیانا: "یہ جملہ آپ کے عہد کے خلاف ہے۔ اور ایسی باتوں کا یہ موقع نہیں ہے۔"
 اب لشکر والوں میں سب سے پہلے ابوالحوقل نے آگے اپنی پگڑی اور تلوار خارویہ
 کے قدموں پر ڈال دی اور کہا الحمد للہ کہ خدا نے مجھے سزا دیا۔"

جولیانا: "بے اختیار نہ جوش مسرت کے ساتھ کھڑے ہو کر" کیا تم میرے شوہر
 کو ڈھونڈھ لائے؟ آہ وہ کہاں ہیں۔ انہیں لاؤ کہ مجھ سے ملیں اور میرے برابر
 بیٹھیں۔"

ابوالحوقل: "شہزادی میں آپ سے ناام ہوں کہ باوجود بے انتہا جستجو کے ان کا کہیں
 پتہ نہیں لگا۔ مگر اس جستجو میں غلام نے حضور امیر کی ایک اور خدمت انجام دی جو ہمارے
 امیر و سلطان مصر کے لیے باعث اقبال مندی ہوئی۔ شہزادی آپ کی خدمت سے میں
 ابھی دست بردار نہیں ہوا۔ بلکہ پھر قلیفہ زادہ منصور کی تلاش میں جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے سرداران ترک کو یکے بعد دیگرے خارویہ کے سامنے پیش کیا
 جو ان کے نذریں دکھاتے تھے اور ابوالحوقل ان کے کارنامے بیان کرتا جاتا تھا۔ ان
 سرداروں کے بعد ترک سپاہی پیش ہونا شروع ہوئے جو جلد از جلد سلام کر کے واپس
 گئے۔ پھر مصری لشکر کے سرداروں نے بڑھ بڑھ کے مبارک باد دے دیں نذریں
 پیش کیں اور ان سے بھی فراغت ہو گئی۔

اب خارویہ نے بیٹھے ہی بیٹھے کہا "میرے بہادر دوستو اور ہمدردوں میں تمہاری اس بارہ ورد کا میاب کوشش کا شکر گزار ہوں۔ میری فوج دس لے مصریو، عربو اور افریقہ و سوڈان والو۔ تم نے بہادری و فاداری اور مردانگی کا جو بہرہ دکھا کے اپنے امیر اور اپنے ملک کو اپنا شکر گزار اور زیر بار احسان بنا لیا۔ اور اسے میرے ترکی و تاتاری دوستو اور مہربانوں نے میری رفاقت کر کے ثابت کر دیا کہ تم حق کے طرف دار۔ نوع انسان کی بہبود کے خواستگار اور ملک و ملت کے سچے حامی و جان نثار ہو۔ تم سب کی کارگزاریوں کا میں ہمیشہ شکر گزار رہوں گا اور تم کو معلوم ہو جائے گا۔ اور ہمیشہ تمہارے دلوں پر نقش رہے گا کہ میں دلی شکر گزار اور سپا قدر دان ہوں۔ ہم سب جب فسطاط میں داخل ہوں گے تو سارا شہر خوشیاں منائے گا۔ اور اہل شہر کی طرف سے جو تمہاری شان و شوکت دعوت ہوگی اس سے انشا اللہ تمہیں اپنی جانبازیوں کا اچھا اجر ملے گا۔ مگر میں انعام و اکرام کا آغاز یہیں سے کرتا ہوں اول تو میں سپہ گروں کی ماہوار یہی چوتھائی کی مقدار میں بڑھانے دیتا ہوں۔ ہر افسر کو ایک درجہ تک ترقی دیتا ہوں۔ اور جس کی ماتحتی میں جتنے سوار یا پیدل ہیں اُنہ ان کے دونے کر دیے جائیں گے علاوہ بری میں حکم دیتا ہوں کہ مال غنیمت میں جس قدر دولت ہاتھ آتی ہے وہ سب کل ہی تم لوگوں میں حسب درجہ و مرتبہ تقسیم کر دی جائے۔" ہر طرف سے جوش و مسرت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور ہر شخص کی زبان پر تھا "امیر کا اقبال بند" دولت طولونہ برقرار۔" مصر و فسطاط کی عظمت قائم۔" اس غلغلہ مسرت میں خارویہ دربار سے اٹھ کر اپنے سرخ خیمے میں گیا۔ اور شہزادی عزیزہ مصر اور قہرمانہ اپنے خیمے میں گئیں۔

اب دن کا آخری حصہ تھا۔ خارویہ نے وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی۔ اور فوراً ابوالحوقل کو بلوا بھیجا جو اس انتظار میں شاہی خروگاہ کے دروازے ہی پر کھڑا ہوا تھا۔ یاد ہوتے ہی حاضر ہو کے آداب شاہی بجا لایا۔ اور دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ خارویہ نے ہاتھ پکڑ کے اپنے برابر بٹھالیا اور کہا "تم جس عزت کے مستحق ہو وہ دولت مصر کے خزانے اور اس کی قوت سے باہر ہے۔ تم نے حیرت انگیز کارگزاری دکھائی اور وہ اس کو میری جو رو بننے پر راضی کر دو۔"

ابوالحوقل: "جس خیال سے میں نے حضور کو شہزادی پر جبر کرنے سے روکا تھا اب اس کا اندیشہ نہیں رہا۔ ترکوں کو شکست دینے کے بعد آپ کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔" خاریوہ: "مگر تمہیں نے کہا تھا کہ فسطاط کے لوگ دشمن ہو جائیں گے۔"

ابوالحوقل: "اس کا بے شک اندیشہ ہے۔ مگر یہاں مصر والے موجود نہیں۔ لہذا میری یہ رائے ہے کہ اس فتح کی خوشی میں آج ہی حضور خواہ برضا و رغبت خواہ یہ جبر و اکراہ اُن سے نکاح کر لیں۔"

خاریوہ: "وہ خوشی سے تو کسی طرح منظور نہ کریں گی۔"

ابوالحوقل: "نہ کریں۔ اب آپ کو اس کی مطلق پرواہ نہ کرنی چاہیے۔"

خاریوہ: "مگر وہ تو ابھی تک اپنے شوہر کے ملنے کا انتظار کر رہی ہیں۔"

ابوالحوقل: "مگر اب یہ کارروائی کی جائے کہ میں حضور کے سامنے اُن سے کہہ دوں کہ اس وقت تک میں نے آپ کی دل شکنی کے خیال سے نہیں ظاہر کیا تھا۔ اصل میں آپ کے شوہر گرفتار ہوئے۔ بغداد میں گئے اور مدت ہوئی کہ وصیف کے حکم سے قتل ہو گئے۔ پھر اسی کے بعد نکاح کا معاملہ چھڑ دیا جائے اگر وہ قبول کریں تو فیہا ورنہ زبردستی حضور قاضی کو بلا کے نکاح پڑھالیں۔"

خاریوہ: "زبردستی لوگ نہیں گے تو کیا کہیں گے؟"

ابوالحوقل: "یہاں اس زمانے میں لوگ جوش سرور سے ایسے مست ہو رہے ہیں کہ کوئی کچھ نہ کہے گا۔ رہے فسطاط والے۔ وہ یہاں موجود نہیں ہیں کہ شہزادی کی جذبہ داری میں بغاوت کریں۔ یہاں فقط فوج کے لوگ ہیں جو انعام ملنے کے شوق میں دنیا و مافیہا کو بھولے ہوئے ہیں۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ حضور کی ہر باتوں اور فیاضیوں کا دم بھیر رہا ہے کسی کے دل میں بھی مخالفت کا خیال نہ آئے گا۔ اصل یہ ہے کہ اس سے بہتر موقع شہزادی کی ضد توڑنے کا نہیں ہو سکتا۔ اور جب آپ کی بیوی بن جائیں گی۔ اور چند روز تک یہاں آپ کے ساتھ رہ کے شاہی کام کیا جس سے تاریخ خالی ہے۔"

ابوالحوقل: "کام کرنے کو ہر شخص تیار ہو جاتا ہے بشرطیکہ کام لینے والا قدر دان اور مہربان ہو۔ دراصل یہ حضور ہی کی ہمت افزائی امانت و دستگیری اور سچی فلاح ملک

کی برکت ہے بغداد میں ترک سپاہیوں اور سرداروں کو میں نے دیکھا کہ تنخواہیں نہ ملنے سے فاسقے کر رہے ہیں بد نظمی کے باعث ملک کی آمدنی بند ہو گئی ہے اور خزانہ خالی پڑا ہے۔ شہر کی رعایا کو لوٹ لوٹ کے ترک سپاہیوں کے قوت لامیوت کا انتظام ہوتا ہے۔ اسی مصیبت سے نجات پانے کے لیے مصر پر بے وجہ حملہ کرنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ میں نے جب دیکھا کہ وہ لوگ لالچ اور طمع کی بوہوس میں کسی طرح ارادہ جنگ سے باز ہی نہیں آتے تو ماتحت سرداران ترک کی دعوتیں کر کے میں نے ان سے دوستی پیدا کرنا شروع کی۔ اور چند ہی روز میں نظر آ گیا کہ روپیہ پیسہ کے ذریعے سے وہ بہ آسانی دوست اور طرف دار بنائے جاسکتے ہیں۔ پھر اسی طریقے سے میں نے باغز و صیغ کو بھی دوست بن کر اپنی طرف سے غافل کر دیا۔ اس کے بعد جب حضور نے کافی مقدار میں روپیہ بھیجا شروع کیا تو میں نے ترکی لشکر کے ایک بہت بڑے حصے کو اپنا طرف دار بنالیا جس کا ثمرہ آج مل گیا۔

خارویہ: "فسوس کہ باغز اور صیغ دونوں بھاگ گئے۔ میں ان کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ ابوالحوقل: "لیکن اب یہ ممکن نہیں کہ وہ حضور کو کسی قسم کا آزار پہنچا سکیں۔ ان کی ساری قوت پامال ہو گئی۔ اور اس قابل ہی نہیں رہے کہ کسی ملک پر حملہ کرنے کا نام لیں۔" خارویہ: "خیر یہ سب آرزوئیں پوری ہو گئیں۔ مگر فسوس شہزادی عزیزہ مصر کی سردہری نے یہ سب کامیابیاں اور خوشبیاں بے مزہ کر رکھی ہیں۔ میں نے دل پر بہت جبر کیا مگر اب نہیں ہو سکتا۔ تم اپنی تدبیر سے بغداد کی قوت عظیم پر غالب آ گئے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ جاہ و جلال اور شوکت و شہرت کا لطف اٹھائیں گے تو نہ وہ مخالفت باقی رہے گی اور نہ اپنے اگلے شوہر کی یاد۔"

خارویہ:

"مگر تمہیں بغداد میں منصور کے مارے جانے کی تصدیق بھی ہو گئی، لوگ تو کہتے ہیں کہ وہ افریقہ میں زندہ موجود ہے۔"

ابوالحوقل: "جھوٹے ہیں۔ اول تو میں نے بغداد میں یہی سنا کہ وہ مار ڈالا گیا اور اگر بالفرض کہیں زندہ موجود ہے بھی تو ہم گھڑی بھریں اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیں"

گے۔ حضور کو متروک ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔“

الغرض یہی مشورہ طے پا گیا۔ ابوالحوقل نماز مغرب ادا کرنے کے لیے باہر گیا اور خارویہ شہزادی کے لاسنے کے لیے ایک خواص کو بھیج کر نماز میں مصروف ہو گیا نماز پڑھ کے پوری ایک گھنٹی بھی انتظار میں نہ گزری ہوگی کہ شہزادی عزیزہ مصر اپنی خادمہ قہرمانہ کے ساتھ آگئی۔ اور پوچھا ”تیسرے پہر ہی کو تو میں آپ کے پاس سے گئی ہوں۔ کیا ضرورت پیش آگئی کہ مجھے یاد فرمایا؟“

خارویہ: ”ضرورت کچھ نہیں۔ فقط اس لیے کہ آج کے دن کی مسرت و شادمانی کی گھڑیاں آپ کے ساتھ بسر ہوں۔“

جولیانا: ”مجھے بھی آج خدا تے ایک ایسی اچھی خبر سنانی کہ اب میں بڑے اطمینان اور سچی خوشی کے ساتھ آپ کے جشن و طرب اور آپ کی خوشیوں میں شریک ہوں گی۔“

خارویہ: ”وہ خوشخبری مجھے بھی سناؤ۔“

جولیانا: ”میں آپ کے پاس سے پیسے ہی گئی ایک دمشقہ عورت نے آ کے کہا کہ میرے شوہر خیریت سے عسقلان میں آگئے۔ لوگوں نے بڑے جوش و خروش سے ان کا استقبال کیا۔ اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ میں آپ کے ساتھ یہاں ہوں تو فوراً دمشق میں چلے آئے۔“

خارویہ: ”چہرے کی پریشانی کو بکوشش مٹا کر“ تو وہ آپ سے ملے۔“

جولیانا نہیں ملے تو نہیں۔“ شاہزادی کی زبان سے یہی الفاظ نکلے تھے کہ ابوالحوقل جس کی کوئی روک ٹوک نہ تھی سامنے آکر آداب شاہی بجالایا۔ اور شہزادی نے اس کی صورت دیکھتے ہی خوشی کے لمحے میں کہا ”ابوالحوقل اب تمہیں میرے شوہر کی تلاش میں دوبارہ سفر کرنا پڑے گا وہ صحیح و سلامت موجود ہیں۔“

ابوالحوقل: ”کسی نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا۔ میں بھی سن رہا تھا کہ وہ افریقہ میں موجود ہیں مگر میں نے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ وہ گرفتار ہو کر بغداد میں گئے اور عہدہ داران خلافت کے حکم سے قتل ہوئے۔“

خارویہ: ”مگر شہزادی کو آج ہی خبر ملی کہ وہ افریقہ سے عسقلان میں اور عسقلان سے یہاں آگئے۔ اگرچہ ابھی شہزادی سے ملے نہیں ہیں۔“

ابوالحوقل: ”یقیناً! یہ فریب ہے۔ کوئی اور شخص منصور بن کر آپ کو فریب دینا چاہتا ہے۔“
 جولیانہ: (تجب سے) آج صبح تک تو تم کو ان کے حال کی کچھ خبر نہ تھی۔ اور ان کی تلاش
 میں دوسرا سفر کرنے والے تھے۔ اور اتنی دیر میں تحقیق ہو گیا کہ وہ اسیر ہو کر شید ہوئے؟“
 ابوالحوقل: ”مجھے صبح کو بھی معلوم تھا۔ مگر فقط اس خیال سے کہ آپ کی دل شکنی ہوگی، نہیں
 کہا۔“

خاردیہ: ”اور یہاں موجود ہیں تو پھر آتے کیوں نہیں؟“
 ابوالحوقل: ”مجھے بتائیے! اگر زندہ و سلامت موجود ہیں تو ان کو قدر و منزلت سے لے
 آؤں۔ اس سے بڑا خوشی کا کون سا وقت ہو سکتا ہے؟“
 جولیانہ: ”مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں۔ میں نے قہرمانہ سے سنا۔ یہ سن کر قہرمانہ جو ساتھ موجود
 تھی بولی۔ تھوڑی دیر ہوئی، دمشق کی ایک عورت نے آ کر بتایا کہ معزز رئیس منصور دمشق میں آ
 گئے ہیں۔ اور انہی نے مجھ کو اپنے آنے کی خبر دینے کو بھیجا ہے۔ بس! اتنا کہہ کے وہ چلی گئی۔“
 خاردیہ: ”مگر ان کا کچھ بھی پتہ بتایا تھا؟“

جولیانہ: ”بالکل نہیں۔ وہ بتاتی بھی تو میں کیا سمجھتی؟ میں نہ دمشق کے محلوں کو جانتی ہوں اور
 نہ یہاں کے لوگوں کو اس کے بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود ہی عنقریب آ کے ملیں گے۔“
 ابوالحوقل: ”حضور! یہ بالکل غلط ہے۔ اگر وہ حضور کے خلاف سازشیں کرتا پھرتا ہے، یہ اسی
 کا فعل معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ حضور کے عیش میں
 خلل انداز ہوں۔ مگر خدا نے حضور کے آفتاب اقبال کو اس قدر بلند کر کے سارے عالم کو چمکا
 دیا کہ نہ وہاں تک ان کے فتنوں کی کمندیں پہنچ سکتی ہیں اور نہ آفتاب پر خاک پڑ سکتی ہے۔“
 پھر اُس نے شہزادی کی طرف توجہ کی اور کہا۔ ”حضور شہزادی! آپ اب ایک بد نصیب و
 شکستہ حال عباسی خلیفہ زادے کی بیوی نہیں، بلکہ ملکہ عالم ہیں۔ اور آپ کا شوہر دنیا کا سب سے
 بڑا اقبال شخص ہے۔“

یہ الفاظ سنتے ہی جولیانہ کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور طیش کے ساتھ غیظ و غضب کے
 لہجے میں بولی۔ ”مکار و خوشامدی بنیے! ہوش میں آ اور اپنی حد سے نہ گزر۔“

ابوالحوقل: (مسکرا کر) ”میری نسبت جو کچھ اشارہ ہوا ہے، بجا ہے۔ میں ایسا ہی بلکہ اس سے
 بدرجہا زیادہ ذلیل شخص تھا۔ حضور امیر فسطاط نے مجھے عزت دی اور اس قابل ہوا کہ حاکموں
 اور رئیسوں کے دربار میں حاضر ہوں۔ مگر شہزادی! میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ آپ کے

شوہر مدت ہوئی مر چکے۔ اور مردوں کا قبر سے اٹھ کر آنا غیر ممکن ہے۔“

جولیانہ: (رقت کے لہجے میں) ”تو میں زندگی بھر بیوہ رہوں گی؟“

ابوالحوقل: ”بیوہ نہیں۔ آپ بادشاہ بیگم اور ملکہ جہاں ہیں۔ امیر خار دیہ آپ کے رُخ زیبا کے عاشق، آپ کے تیرنگہ کے گھائل، آپ کے خنجر مژگاں کے بسل، آپ کی زلف گر مگیر کے اسیر اور آپ کی زگس فتاں کے مفتون ہیں۔ اس شاہی محبت کی قدر کیجئے اور آج ہی عقد کر کے اُن کی فتح و نصرت کی خوشی کو دوبارہ فرمائیے۔ اور اُن کے دل کی مُردہ اُمیدوں کو زندہ کر دیجئے۔“

جولیانہ حیرت سے ابوالحوقل کی صورت دیکھتی رہی اور خاموش تھی۔ مگر جیسے ہی اُس نے اپنے جملے ختم کئے، ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ”کبخت! ظالم! تو نے دل کو چاک چاک کر دیا۔ خدا کے لئے، بس کر! اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں ہے۔“

خار دیہ: ”میرے دل کی مالک جولیانہ! یہ میرے دل کے الفاظ ہیں جو ابوالحوقل کی زبان سے نکلے۔ اس وقت تک میں نے بہت ضبط کیا۔ اور اب خدا کی قسم! ضبط کی تاب نہیں ہے۔ یہ کہتے ہی اُس نے جولیانہ کا نازک ہاتھ پکڑ کے چاہا کہ اپنی آغوش میں کھینچ لے، مگر جولیانہ اپنی بے بسی پر زار و قطار رونے لگی۔“

جولیانہ: ”ایسا بے حیائی کا فخر و ناز تجھے اور تیرے بدکار آقا ہی کو مبارک رہے۔“

خار دیہ: ”خدا کی قسم! میں بدکار و زانی نہیں ہوں۔ میں نکاح کر کے تم کو اپنی جان کی مالک ملکہ بنانا چاہتا ہوں۔ اور اس شوق کو پورا ہونے کے لئے آج سے بہتر کوئی دن نہیں ہو سکتا۔ (ابوالحوقل سے) قاضی دمشق کو بلاؤ! اسی وقت آکر نکاح پڑھ دیں۔ تم ان کے صحیح دلی ہو۔ اس لئے کہ تمہارے ہی ذریعے سے یہ آئیں۔ اور گواہ دو افسران فوج ہو جائیں گے۔“

قبل اس کے کہ جولیانہ کچھ کہے سنے، ابوالحوقل اٹھ گیا۔ خار دیہ نے فوراً جولیانہ کے چہرے پر نقاب ڈال دی۔ اور دو منٹ بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ قاضی اور گواہ آ موجود ہوئے، جو پہلے ہی بلا رکھے گئے تھے۔

اب جولیانہ اپنی بے بسی و بے کسی پر زار و قطار رو رہی تھی۔ قاضی صاحب نے آتے ہی ایک مختصر خطبہ پڑھ کر ایجاب و قبول کر دیا۔ جولیانہ کا رونا، رضا مندی سمجھا گیا۔ رُہس کے دلی ابوالحوقل نے ایجاب کی تصدیق کر دی۔ جس کے بعد قاضی صاحب نے مبارک باد کے عوض چند دعائیہ کلمات قرأت و ترتیل کے ساتھ پڑھے۔ اور سارے لشکر میں مبارک سلامت کا غل

مج گیا کہ آج کی فتح کے ساتھ ہی امیر خارویہ کی یہ تمنا بھی پوری ہو گئی کہ شہزادی جولیاننا عزیزہ مصر کی دلہن بن گئی۔

قاضی اور گواہ انعام لے کر رخصت ہوئے اور دمشق کی چابک دست مشاطاؤں کو بلا کر حکم دیا کہ جولیاننا کو دلہن بنا کر امیر خارویہ کے جملہ عروسی میں پہنچادیں۔

جب یہاں تک نوبت پہنچی تو جولیاننا کچھ سوچ کر خاموش ہو گئی۔ رونا یکا یک موقوف ہو گیا اور وہ کمال متانت و استقلال کے ساتھ ہر مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نظر آتی تھی۔ قہرمانہ اُس کی انیس صحبت تھی۔ اور اُس کی زبان سے اگر کسی وقت کوئی اضطراب کا کلمہ نکل بھی جاتا تو فوراً دل دہی کی باتیں کر کے اُس کے خون شدہ دل کو تسلی دے دیتی۔

خارویہ حکم دیتے ہی اپنے سرخ خیمے میں جشن منانے لگا اور مشاطائیں، جولیاننا کو خیمے میں اٹھا کر لے گئیں۔ ادھر پری جمال و شوخ ادا ناپنے والیاں جن میں سے کچھ مصر سے لشکر کے ساتھ آئی تھیں اور کچھ دمشق سے بلوائی گئی تھیں، خارویہ کے سامنے مجرا کر رہی تھیں۔ نیند کا جام دور میں تھا اور تمام ندیمان صحبت پر بے خودی کا عالم طاری ہوتا جاتا تھا۔ ہر طرف مبارکباد کا نغمہ بلند تھا۔ اور نیند کے نشے سے زیادہ سب کے دلوں پر سرور و شاد کامی کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ اور شاہی جشن میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو شرکت کی عام اجازت تھی۔

اسی عیش و طرب میں آدھی رات سے زیادہ گزر گئی۔ گرد و پیش کا شور مبارکباد کم ہوتے ہوتے رات کے سناٹے میں غائب ہو گیا۔ امراء و معززین دربار جو شریک جشن تھے اور جن کی آنکھیں نیند کے خمار سے جھکی پڑتی تھیں، سب کو اپنے خیموں میں جا کر سونے کی اجازت عطا ہوئی۔ ابوالحوقل جو سب سے زیادہ مقرب بارگاہ تھا، فتح و نصرت اور عروسی اور وصل محبوبہ کی دوہری مبارکبادیں دے کر اپنے خیمے کو روانہ ہوا اور مشاطاؤں نے آکر مژدہ سنایا کہ جملہ عروسی سچ گیا اور چاندی دلہن بن سنور کر تیار ہو گئی۔ حضور کے تشریف لے چلنے کی دیر ہے۔

یہ مژدہ وصال سنتے ہی خبر لانے والوں کو خارویہ نے ہزاروں دینا انعام میں دیئے اور دل ہی دل میں خوش ہوتا اور اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتا ہوا جملہ عروسی میں داخل ہوا جو ہر طرف پھولوں، ریشم کے پھندوں اور مقیش کی جھالروں سے آراستہ تھا۔ زمین پر اطلس کا فرش تھا۔ زربفت کے پردے چاروں طرف لٹک رہے تھے۔ درمیان میں ایک اعلیٰ درجے کا نفیس پلنگ تھا جس پر گلاس دارغوان کے پھولوں اور بیلے، چنبیلی کے ہاروں کا شامیانہ، زرد رومی مخمل کی توشک پر ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا عدیم المثال ایرانی قالین جو تہا گیا ہوا بچھا تھا۔ اور اس پر

زاہد و فریہ عروسی مہ پارہ شرم سے گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ اندر قدم رکھتے ہی پھولوں کی مہک اور عطروں کی لپیٹ سے خارویہ کا دماغ معطر ہو گیا اور مرصع زیور کے الماس و یاقوت کی شعاعوں سے نگاہ خیرہ ہو گئی۔ یہ معلوم ہوا کہ سورج کی شعاعوں اور نورانیت کی آغوش میں فردوس بریں کی ایک حور آ کے بیٹھ گئی۔

نوجوان والی مصر جا کے قالین پر دلہن کے برابر بیٹھ گیا اور کہا۔ ”میری مہ جبیں محبوبہ جو لیا نا! جملہ عروسی کی زیب و زینت اور شب وصال کی زندگی بخش مسرت نے اگرچہ شرم و حجاب کو پیدا کر دیا ہے۔ مگر ہم تم نئے نہیں ہیں۔ تم وہی روز کی ملنے والی محبوبہ شیریں ادا ہو۔ اور میں وہی تمہارا عاشق شیدا ہوں۔ شرم کو دور کرو۔ منہ کھولو، ہنسو بولو۔ اور اس خوش نصیبی کی رات کو اُلفت و محبت کی باتوں میں صرف کر دو۔“

بار بار اس قسم کی باتیں کرنے اور قسم دلا دلا کر اصرار کرنے پر بھی دلہن نے منہ کھولا اور بات نہ کی تو خارویہ نے تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی خوشامد کے بعد دست درازی شروع کی۔ خارویہ کی اس درجہ بے یاری دیکھ کر دلہن اسی طرح منہ چھپائے ہوئے قالین پر لیٹ گئی۔ خارویہ نے ہنس کر کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے آج تم نے بات کرنے کی قسم کھالی ہے۔“ اور دلہن کے برابر خود بھی لیٹ کر اُس سے لپٹنے لگا۔

اب یکا یک دلہن نے حرکت کی۔ وہ خود آغوش شوق کھول کر لپٹی۔ لپٹتے ہی اُس کے اوپر آ گئی اور ساتھ ہی پہلو سے ایک خنجر نکال کر خارویہ کے سینے میں پیوست کر دیا۔ خارویہ نے ایک چیخ ماری۔ مگر بنی سنوری دلہن کے دوسرے ہاتھ نے منہ بند کر کے اُس چیخ کو منہ کے اندر ہی ختم کر دیا، ساتھ ہی خنجر کو جو ایک ہی وار میں دل کے اندر پیوست ہو گیا تھا، اس طرح زور سے گھنگھولا کہ خارویہ بغیر تڑپے ٹھنڈا ہو گیا۔

جملہ عروسی کے باہر کسی کو خبر نہ تھی۔ سب اپنے فاتح حکمران کے عیش پر خوشیاں منا رہے تھے۔ مگر یہاں اب بہادر قاتل دلہن آہستہ سے اُٹھی۔ سارا زیور اتار کر لاش کے برابر رکھ دیا۔ لباس عروسی کو بھی وہیں ڈالا۔ شاہی غلاموں کی وردی کا ایک جوڑا جو پلنگ کے نیچے پڑا ہوا تھا، جھٹ پٹ پہنا اور باہر نکلی تو قریب ہی اُس کو اسی وضع کا ایک اور غلام ملا جس نے اُس کی صورت دیکھتے ہی پوچھا۔ ”کام پورا ہو گیا؟“

مرد نما دلہن: ”ہاں! پورا ہو گیا۔“

نوجوان: ”بڑا کام کیا اور اس خدمت کو تم نے نہایت خوبی سے انجام دیا۔“

”دلہن: ”شہزادی لوگ غافل ہیں۔ غالباً صبح سے پہلے کسی کو خبر نہ ہو۔ مگر ہمیں فوراً بھاگنا چاہئے۔ خیریت کے ساتھ اپنے آقا منصور کے پاس پہنچ جائیں تو اطمینان ہو۔“

دونوں نوجوان فوراً پھرتی اور آہستگی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے چلے۔ خواجہ سرا اور شاہی گارڈ کے اکثر لوگ غافل تھے۔ اور جو ہوشیار تھے، سمجھے کہ امیر خارویہ کے خواصی کے غلام ہیں۔ دونوں نوجوان ان میں سے گزر کر پڑاؤ کے مغربی کنارے پر پہنچے، جہاں ایک معزز شکل و شمائل کا شخص انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ فوراً دونوں کو فوج سے دور ہٹالے گیا اور ٹھہر کے اُس نوجوان سے جو دلہن کو جملہ عروسی سے باہر ملا تھا، لپٹ گیا۔ دیر تک روتا رہا۔ پھر آنسو پونچھ کر پوچھا۔ ”میری نازنین عزیزہ مصر! بتاؤ، ظالم کو جہنم میں پہنچا آئیں؟“

عزیزہ مصر: (اس لئے کہ یہ وہی ہیروئن جولیانہ ہے جو مصری غلاموں کے بھیس میں ہے) ”ہاں وہ دوزخ میں پہنچ گیا۔ مگر مجھ سے کچھ نہ ہو سکتا۔ جو کچھ کیا، میری مہربان قہرمانہ نے کیا۔ سب سے پہلے تو انہوں نے یہ بڑا کام کیا کہ دمشق کی ناواقف مشاطاؤں کو یہ باور کرا دیا کہ جولیانہ میں نہیں، یہ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے انہی کو دلہن بنا کر اور بنا سنوار کے جملہ عروسی میں بٹھا دیا، جس کو میں اپنی قتل گاہ سمجھی ہوئی تھی۔ انہی نے خدا جانے کس تدبیر سے مصری غلاموں کے دو جوڑے منگوائے، جن میں سے ایک مجھے دیا کہ پہن لوں۔ اور دوسرا اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس کو خود ہی بتائیں گے۔ اس لئے کہ میں باہر چھپی کھڑی تھی۔“

منصور: ”وہ جوڑے تو میں نے بڑی مشکل سے فراہم کر کے اُس عورت کے ہاتھ جس نے تم کو میرے آنے کی خبر دی تھی، بھیج دیئے تھے۔ مگر اُن کو تم ہی نے تو مانگ بھیجا تھا“

جولیانہ: ”میں نے تو نہیں منگوائے تھے۔“

قہرمانہ: ”عام شاہی جشن طرب میں مجھے وہ ناچ دیکھتی نظر آئی۔ میں نے اُس کو شہزادی کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا کہ دو غلاموں کے جوڑے لے آئے۔ میں نے خیال کیا کہ بغیر اُن کپڑوں کے ہم نہ بھاگ سکیں گے۔“

منصور: ”اور وہ قالین بھی نیچے بچھالیا تھا جس کو میں نے بھیجا تھا؟“

قہرمانہ: ”جی ہاں! میں نے پلنگ کے اوپر تو شک پر اس کو چوتھا کر کے بچھو دیا تھا۔ اور اسی میں سارا خون جذب ہوا۔“

منصور: ”بس! میں یہی چاہتا تھا۔ آج اس قالین کا معاوضہ مجھے مل گیا۔ اسی ضرورت سے میں اس کو مصر سے ساتھ لے کر بھاگا تھا۔“

اب قہرمانہ نے جو ابھی تک غلاموں کے بھیس میں تھی، ساری سرگزشت بیان کی اور کہا۔
 ”خارویہ نے مرتے وقت ایک چیخ ماری، مگر تھوڑی ہی آواز نکلی تھی کہ میں نے منہ بند کر دیا اور
 کسی کو خبر نہ ہو سکی کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔“

جولیانہ: ”تہی تھیں کہ ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ میرا تو ہاتھ کانپ جاتا۔“
 قہرمانہ: ”میرے دل میں جو بغض بھرا ہوا تھا، اس سے اتنا بھی نہ ہوتا؟ اس کے علاوہ بیوی
 آپ کی محبت نے مجھ میں قوت اور شجاعت پیدا کر دی۔ ورنہ بھلا یہ کام میرے کرنے کا تھا؟“
 جولیانہ: ”غنیبت یہ ہوا کہ زریق نہ تھا جو رات بھر اس کے پچھونے کے گرد پہرہ دیا کرتا
 تھا۔“

قہرمانہ: ”وہ ہوتا تو پھر کوئی بات نہ بن پڑتی۔ آپ نے کیا یہی سوچ کر اس شیر کے لانے
 سے روک دیا تھا؟“
 جولیانہ: ”اس وقت تو یہ خیال نہ تھا۔ مگر اتفاق سے یہ بات ہو گئی جس میں خدا کی بڑی
 مصلحت تھی۔“

منصور: ”خیر! میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ اتنی مدت کے بعد اتنے بڑے شقی القلب ظالم
 کے پنچے سے چھوٹ کر مجھے میری محبوبہ مل گئی۔ اور جولیانہ! تم مل گئیں تو سب دولتیں اور نعمتیں
 مل گئیں۔“

جولیانہ: ”اب آپ اسی وقت دمشق بھاگ چلیں۔ صبح ہوتے ہی بڑا ہنگامہ مچ جائے گا اور
 ہم یہاں ہوئے تو پکڑ لئے جائیں گے۔“

منصور: ”لیکن ابھی مجھے ایک بات کا انتظار ہے۔ جن لوگوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجنے
 کے لئے غلاموں کے جوڑے فراہم کر دیئے تھے، جب تک وہ نہ آجائیں ٹھہرنا ضروری ہے۔“
 جولیانہ: ”وہ کون لوگ ہیں؟“

منصور: ”ذرا صبر کرو! ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔“
 اب یہ سب لوگ مصری پڑاؤ سے الگ ہو کر ایک بڑی چٹان کی آڑ میں خاموش بیٹھ گئے۔
 تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کچھ آہٹ ہوئی۔ منصور نے اٹھ کر دیکھا تو چھ آدمی نظر آئے۔ منصور نے
 ذرا بلند آواز میں کہا۔ ”انتقام“ ساتھ ہی ان لوگوں نے بھی یہی لفظ زبان سے دہرایا اور جھپٹ
 کر قریب آگئے تو منصور نے پوچھا۔ ”کہئے! انتقام پورا ہوا؟“

ایک شخص: ”ہاں! ابوالحوقل کو جب کہ وہ غارویہ کے خیمے سے نکل کے جا رہا تھا، ہم نے

جھرمٹ کر لیا۔ پھر فوراً ہم میں سے ایک نے اُس کو زمین پر گرایا۔ دوسرے نے اُس کا منہ بند کیا کہ آواز نہ نکلے۔ اور رفیقوں نے ہاتھ پاؤں پکڑ لئے کہ تڑپنے نہ پائے۔ ابوالہول نے اوپر سوار ہو کر پہلے سینہ چاک کیا، پھر سر کاٹ کے الگ کر دیا۔ بعد ازاں ہم نے نہایت ہی خاموشی کے ساتھ اُس کی لاش کو لے جا کر وہاں ڈال دیا جہاں لڑائی کے مقتولین کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔“

منصور: ”بڑا کام کیا۔ ایسی خاموشی و ہوشیاری کے ساتھ اتنے بڑے لشکر کے اندر ایسے عظیم الشان کام کو انجام دینا آسان نہ تھا۔“

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ وہی ابوالہول اور ابن شمسون کے گروہ والے ہیں جو یہ عہد کر کے مصر سے چلے تھے کہ ابوالحوقل کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ ابوالہول نے منصور کے جواب میں کہا۔ ”اس احتیاط کی ضرورت تھی۔ اگر کوئی بھی دیکھ لیتا تو غل مچا دیتا اور سارے لشکر میں ہنگامہ مچ جاتا اور ہماری شہزادی کو اپنے کام میں دُشواری پیش آتی۔ خدا جانے اُنہیں بھی ظالم سے انتقام لینے کا موقع ملایا نہیں؟“

منصور: ”موقع ملا اور پوری کامیابی کے ساتھ۔ خارویہ اپنے جملہ عروسی میں مرا پڑا ہے۔ اور شہزادی اور اُن کی رفیق فہرمانہ یہاں موجود ہیں۔“ دونوں عورتوں نے فوراً منہ، نقاب میں چھپا لئے اور منصور نے اُن سب کو لاکر شہزادی کے سامنے کھڑا کر دیا۔

اُن کو سامنے دیکھ کر شہزادی نے کہا۔ ”بہادر ابوالہول! ابن شمسون! اور ان کے رفیقو! میں تمہاری نہایت شکر گزار ہوں کہ تم نے میری ہمدردی کی۔ میرے شوہر کو ڈھونڈ لائے اور اپنے پاک مقصد میں کامیاب ہوئے۔“

اب تمام بہادر شہزادی کے قدم چومنے کو جھکے۔ اور ابوالہول نے اُنھ کو کہا۔ ”مگر تعجب ہے کہ ابھی تک کسی کو خارویہ کے قتل کی خبر نہیں ہوئی۔“

قہرمانہ: (مسکرا کر) ”صبح سے پہلے کوئی ان کے عیش میں خلل انداز نہ ہوگا۔“

شہزادی: ”اب انہیں اسی نیند میں سوتا چھوڑ کر ہم دمشق بھاگ چلیں۔“

ابوالہول: ”مشق میں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم اس وقت مسہ کارا تے ہیں اور

وہاں کے لوگوں کو اصل حقیقت سے آگاہ کریں۔“

الغرض صبح سے پہلے ہی چھوٹی سی جماعت چل پڑی اور فسطاط میں داخل ہوتے ہی شہزادی

نے ایک عام دربار کیا اور مجمع عام کے سامنے خود اپنی زبان سے یہ الفاظ کہے۔

”فسطاط کے لوگو! تم نے ہر موقع پر میرے ساتھ جو ہمدردی کی اور تمہیں جو سچی محبت اور میرے اور میرے، خاندان کے ساتھ ہے، اس کا میں نہایت ہی خلوص اور جوش دل سے شکر ادا کرتی ہوں۔“ پھر تمام حالات کا انکشاف کر کے اُس نے کہا۔ ”میں تمہاری ہی محبت اور ہمدردی کی اُمید پر یہاں آئی ہوں۔ اگر تم لوگ میرا ساتھ دینے کو تیار ہو تو یہاں رہوں، ورنہ اپنے شوہر کے ساتھ افریقہ چلی جاؤں۔“

سب نے با آواز بلند ہو کر کہا۔ ”آپ یہیں رہیں۔ اور ہم آپ کے ساتھ ہیں۔“

اس باہمی اطمینان پر دربار ختم ہوا اور اسی ہفتہ میں معلوم ہوا کہ لشکر گاہ دمشق میں جب محکو جلد عروسی کے اندر خارویہ کی لاش ملی تو سارے لشکر میں کہرام مچ گیا۔ پھر جب فرمانروائے مصر کی لاش خاص اُس قالین پر ملی جس نے خلیفہ بغداد المستقر باللہ کی زندگی بے مزہ کر دی تھی تو تمام لوگ حیران رہ گئے۔ اور سب کی رائے قرار پائی کہ ابوالحوقل کی معرفت وہ قالین بغداد میں بھیج دیا جائے۔ مگر ابوالحوقل کے عوض اُس کی لاش میدان سے آئی۔ آخر سب نے دونوں لاشیں دھوم دھام سے لا کر دمشق میں دفن کیں وہیں کے قصر امارت میں خارویہ کے بیٹے ابوالعسا کو اُس کا جانشین بنایا اور عمر بادشاہ کو ساتھ لئے ہوئے بڑے کروفر سے فسطاط میں رہے ہیں۔ ہنوز یہ لوگ جبل مقطم کے اُسی طرف تھے کہ فسطاط والوں کی طرف سے پیغام آیا کہ آپ کو یہاں آ کر حکومت کرنا ہے تو اس شرط سے آئیے! کہ شہزادی عزیزہ مصر اور اُن کے شوہر منصور کی اطاعت و نگرانی میں آپ حکومت کریں گے ورنہ ہم شہر میں نہ آنے دیں گے۔

ابوالعسا کو اور اُس کے وزراء نے مجبوراً یہ شرط قبول کی۔ جس کے بعد حکومت مصر کا نیا دور شروع ہو گیا جب کہ رعایا کے دلوں کی سچی مالک شہزادی عزیزہ مصر جو لیانا تھی، اُس کا سہ ماں بھی مل گیا۔ اور دونوں میاں بیوی بے غل و غش زندگی بسر کر رہے تھے۔

(ختم شد)

جس میں حضرت ابراہیمؑ کی

قیمت حصہ اول	250-00
قیمت حصہ دوم	250-00
قیمت حصہ سوم	250-00
قیمت حصہ چہارم	300-00
قیمت حصہ پنجم	300-00
قیمت حصہ ششم	300-00
قیمت حصہ ہفتم	300-00

بڑا سائز، سفید کاغذ، مضبوط جلد، ایک جلد، 800 صفحات

آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے

جسے صاحب طرز انبجاء نے لکھا ہے

حجرات

دنیا کی سب سے بڑی داستان

سے پیدا ہوئی۔ چاہ باہل تاریخی

بڑا سائز، 800

ایک عظیم ناول

فتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین

الاس ایم۔ اے کے قلم سے — اردو زبان کا سب سے زیادہ

بڑا سائز، خوبصورت گروپوش، 500 سے زائد صفحات

مکتبہ القریش